بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر علی محسن صدیقی ☆

صبحِ سعادت

﴿ولادت سے بعثت تک﴾

آبائے رسول ﷺ

ملتِ مُسلمہ :

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نسلی سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے اور ملت مسلمہ، ملت ابراہیمی ہی ہے، خانہ کعبہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ تعمیر کیا، ملت مسلمہ کا دینی اور روحانی مرکز ہے اس بناء پر نبی آخرالزماں کی سیرت پاک کا کوئی بیان ان کے جد بزرگ حضرت ابراہیم کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا اور آپ ﷺ کا لایا ہوا دین اسلام دین ابراہیمی کی تکمیل اور آخری کڑی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (۱)

(اللہ نے تمہارے لئے وہی دین تجویز کیا جو) تمہارے باپ ابراہیم کا دین تھا۔ اسی اللہ نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلم رکھا اور اس قرآن میں بھی (تمہیں مسلم کہا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام :

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے علاقے بابل میں پیدا ہوئے، ان کا اور اہلِ بابل کا نسلی تعلق سامیہٴ اولیٰ کے قبائل سے تھا، جو زمانہ قدیم سے سرزمین عرب سے نقل مکانی کر کے عراق، شام بلکہ مصر کے ریگستانوں، کوہستانوں اور دریائی میدانوں میں آباد ہوتے رہے تھے۔ اہلِ بابل ستارہ پرست تھے انہیں میں

☆ سابق استاد شعبہ علومِ اسلامی واسلامی تاریخی، جامعہ کراچی

وہ پیدا ہوئے اور ستاروں کی بے حقیقتی اوران کے استھانوں کی بے مائیگی پرانہوں نے غور کیا اوراس گم کردہ راہ قوم کو خدائے واحد کی عظمت کا درس دیا،مگر یہاں کے ارباب اقتدار نے اس موحد اعظم کی دعوت پر کان نہ دھرا، نتیجتاً انبیاء کرام کی سنت پر عمل پیرا ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام سرزمین بابل سے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے ہمراہ ان کی بیوی حضرت سارہ جوانہیں کے خاندان سے تھیں اوران کے بھتیجے حضرت لوط بھی تھے۔اپنی ہجرت کے دوران میں حضرت ابراہیم سرزمین مصر بھی گئے۔اس زمانے میں مصر میں جو خاندان حکمراں تھا وہ عربوں کے سامیۂ اولیٰ میں کا ایک قبیلہ تھا اور تاریخ میں ''ہائیکسوس'' یا ''بادشاہان شوپان زادگاں'' (چرواہے حکمران) کے نام سے موسوم ومعروف ہے۔مصری بادشاہ نے حضرت ابراہیم کی شخصیت اوران کی روحانیت سے متاثر ہوکر اپنی بیٹی ان کے حبالۂ عقد میں دیدی، وہ شہزادی جو مصر سے اجنبیوں کے وطن میں آئی ''ھاغار'' یعنی اجنبی کہلائی،عربی میں یہی ''ہاجرہ'' ہے۔مصر سے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے علاقے میں کہ ارضِ کنعان کہلاتا ہے آ کر بس گئے۔یہیں حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیرانہ سالی میں ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔اس کے بعد سارہ کے بطن سے ان کے دوسرے بیٹے اسحاق تولد ہوئے اور تیسری بیوی قطورا کے بطن سے بھی ان کے بیٹے ہوئے۔(۱،الف)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے حضرت لوط اور تینوں بیٹوں کو عرب، شام وفلسطین کے مختلف مقامات میں آباد کیا۔ان میں حضرت اسحاق کی اولاد کہ ان کے صاحب زادے حضرت یعقوب کی نسبت سے بنو اسرائیل کہلائی فلسطین میں رہی، بنو قطورا عرب میں ارض مدین اور دوان میں بسے، حضرت لوط کی نسل کو شرق اردن میں آباد کیا اور بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عرب کے اس حصے میں لاکر آباد کیا جو تورات کی زبان میں فاران اور عربوں کی روایات میں حجاز ہے۔(۲)

حضرت اسماعیل علیہ السلام :

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے باپ کی بڑی اولاد تھے، اس لئے ان کے کاندھوں پر ذمہ داری بھی بڑی ڈالی گئی۔ان کو مکے میں اس دعوت توحید کا مرکز کعبہ قائم کرنا تھا، جہاں سے دنیا میں آخری نبوت کا ظہور ہونا تھا اور جسے رہتی دنیا تک دعوت حق ومرکز توحید کی حیثیت سے انسانیت کے لئے منارۂ نور اور مقام رشد وہدایت قرار پانا تھا۔اس مرکز ہدایت یعنی کعبۃ اللہ کی تعمیر کی جگہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو تجویز کردی تھی۔ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ بَوَّانَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ. (۳)

اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر (کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی

اس نیک اور عظیم مقصد کی خاطر حضرت ابراہیم نے اپنے شیر خوار بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ کو اس مقام پر لاکر چھوڑا جو ویران، سنسان اور بنجر تھا اور اللہ سے یہ دعا کی:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ O (۳، الف)

پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصہ کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے، تاکہ اے پروردگار یہ یہاں نماز قائم کریں، تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے، تاکہ یہ تیرے شکر گزار بنیں۔

حضرت ابراہیم کی دعا قبول ہوئی، وہاں زمزم کا کنواں ابل آیا اور ماں بچے نے سکون سے جینے کا آغاز کیا۔ قریب ہی سے سامیۂ اولیٰ (عرب بائدہ) کے قبیلۂ جرہم کے لوگ گزر رہے تھے، پانی کا نشان پا کر وہیں اتر پڑے اور حضرت ہاجرہ کی اجازت سے وہیں بس گئے۔ ان کے دوسرے ہم قبیلہ لوگ بھی آ آ کر بسنے لگے، اور یہ سنسان زمین انسانوں کی بڑی بستی بن گئی۔ حضرت اسماعیل بڑھتے رہے، انہیں جرہمیوں سے عربی زبان سیکھتے رہے اور صحرا کی سختی، تنگی، ترشی میں جفاکشی، بلند ہمتی اور بہادری کی صفات کی آبیاری ہوتی رہی (۳، ب)۔

قربانی کا واقعہ :

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بیٹے اور عزیز بیوی سے غافل نہ تھے، اس لئے ان سے ملنے کے لئے آتے رہتے تھے۔ بنو جرہم جو یہاں آ کر بس گئے تھے ان کی تبلیغ سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب حضرت اسماعیل کی عمر بارہ، تیرہ سال ہوئی تو قربانی کا عظیم واقعہ پیش آیا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر یوں فرمایا ہے:

جب وہ لڑکا اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا، تو ایک روز ابراہیم نے کہا:

بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا کیا خیال

ہے؟ بیٹے نے کہا: اباجان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے، اسے کر ڈالئے، آپ ان شاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرادیا، اور ہم نے اس کو آواز دی کہ: اے ابرہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی، اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑالیا۔'' (۴)

یہ واقع بکہ (مکہ) میں پیش آیا تھا اور جس مقام پر حضرت ابراہیم اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو لے گئے تھے وہ منیٰ کا مقام تھا اور آج تک اسی کی یاد کے طور پر ہر سال یہاں قربانی کی جاتی ہے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضرت اسماعیل کی عمر بارہ، تیرہ سال سے زائد نہ تھی اور اس وقت تک ان کے چھوٹے بھائی حضرت اسحاق پیدا نہیں ہوئے تھے کیونکہ اسی سورۂ صفات میں اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ۝ (۴/الف)

اور ہم نے ابراہیم کو بشارت دی اسحاق کی، جو ایک نبی ہوں گے صالحین میں سے۔

قرآن مجید کی اس واضح شہادت کے بعد کہ قربانی کے وقت حضرت اسحاق پیدا نہیں ہوئے تھے، حضرت اسماعیل ان کے واحد فرزند تھے اور ظاہر ہے کہ قربانی انہوں نے ان کی ہی پیش کی تھی، اس سلسلے میں یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریف وتصحیف اور باطل دعوؤں کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ تورات کے جو بھی مندرجات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ذبیح اسحاق تھے اسماعیل نہ تھے، یہود ونصاریٰ کے تحریف کی بدترین مثال ہیں۔ اسی طرح مسلمان ماہرین اسرائیلیات نے جو ان کی تائیدی روایتیں گھڑی ہیں وہ قرآن مجید کے صریح متضاد وخلاف ہونے کے سبب مجموعہ کاذیب اور جھوٹ کا پوٹ ہیں۔ حضرت اسماعیل ذبیح ہیں، مکہ مقام قربانی ہے اور آج تک سنت ابراہیمی کی پیروی میں اولاد اسماعیل اس کی یاد مناتی ہیں۔ (۴/ب)

بیت اللہ کی تعمیر:

جب حضرت اسماعیل سن شعور کو پہنچے تو ان کی شادی قبیلۂ جرہم کی ایک خاتون سے ہوئی اور وہ

انہیں لوگوں میں عزت واحترام کے ساتھ رہنے لگے۔اس دوران میں حضرت ابراہیم مکہ تشریف لائے اور انہوں نے بیٹے سے کہا کہ ''مجھے اللہ نے ایک کام کا حکم دیا ہے کیا تم اس میں میری مدد کرو گے؟'' حضرت اسماعیل نے کہا: ''جی ہاں! میں آپ کی مدد کروں گا''۔اس پر حضرت ابراہیم نے وادی کے اس بلند حصے کی طرف اشارہ کیا جو اردگرد کی زمین سے اونچا تھا۔اور کہا کہ اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔دونوں باپ بیٹے نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں، جب دیوار کافی اونچی ہوگئی تو حضرت ابراہیم وہ پتھر اٹھا کر لائے جو مقام ابراہیم کہلاتا ہے، انہوں نے اس پر کھڑے ہوکر پتھر نصب کرنے شروع کئے اور دیواروں کو مزید اونچا کردیا۔دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا جانے والا گھر کیسے تعمیر ہوا اور اس کی تعمیر کا مقصد کیا تھا، قرآن مجید کی زبانی سنئے:۔

> یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں تعمیر ہوا۔برکت والا گھر اور ساری دنیا کے لئے مرکزِ ہدایت۔اس میں اللہ کی واضح نشانیاں ہیں۔مقام ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہوجاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے۔(۵)
>
> اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرکز و مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے مقام عبادت کو جائے نماز (مصلیٰ) بنالو۔اور ابراہیم واسماعیل کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار اس جگہ کو ایک پرامن شہر بنادے اور یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق بہم پہنچا جو بھی ان میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والا ہو، اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھارہے تھے (تو دعا کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے رب ہماری اس کوشش کو قبول فرما، تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔خدایا تو ہم دونوں کو اپنا اطاعت گزار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم بنا جو تیری اطاعت گزار ہو، اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر عنایت کی نظر رکھ کیونکہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔اور تو لوگوں میں انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان کے اخلاق درست کرے، یقیناً تو بڑی قدرت والا اور دانا ہے۔(۵/الف)

اور جب کہ ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس ہدایت کے ساتھ کہ کسی کو میرے ساتھ شریک نہ کرنا، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھنا اور (حکم دیا کہ) لوگوں میں حج کی منادی کردو کہ تمہارے پاس آئیں، خواہ پیدل آئیں یا پھر دور دراز مقام سے دبلی اونٹنیوں پر آئیں، تا کہ یہاں آکر دیکھیں کہ ان کے لئے کیسے کیسے دینی ودنیوی منافع ہیں۔ اوران چند مقررہ دنوں میں ان جانوروں پر جواللہ نے ان کو دیئے ہوں اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کریں) اوراس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگ دست وضرورت مندلوگوں کو بھی کھلائیں۔ (۵/ب)

بیت اللہ کی برکات :

عرب جاہلیت میں خانۂ کعبہ کی حیثیت صرف ایک مذہبی مقام اور عبادت کدے ہی کی نہ تھی۔ بلکہ وہ عربوں کی تمام تہذیبی سرگرمیوں کا مرکز تھا، قبائل جوسخت انفرادیت کا شکار اور مرکز گریزی کی عادت سے پراگندہ تھے، بیت اللہ کی مرکزیت سے یک گونہ وابستہ تھے اوراس کے گرد کم ازکم سال میں ایک دفعہ جمع ہوکر قبیلے کی انفرادیت سے ہٹ کر ملت کی اجتماعیت میں ضم ہوجاتے تھے۔ مختلف قبائلی وفود کے ملنے سے تمدنی اتحاد اور معاشرتی یکسانی کی ایک صورت پیدا ہوجاتی تھی۔ حج کی خاطر سال میں چار ایسے مہینے مقرر کئے گئے تھے جن میں قتل وغارت کی ممانعت تھی (اشہر حرم) اوراس سرزمین بے آئین میں اللہ کے گھر کی برکت سے ایک ایسا آئین نافذ تھا کہ ان حرام مہینوں میں لوگ بڑے اطمینان کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکتے تھے، تجارتی کاروبار کرسکتے تھے اور معاشرتی میلوں میں اکٹھا ہوکر مردانہ کھیلوں اور علمی مشاغل میں حصہ لے سکتے تھے۔ یوں اللہ نے اپنے مقدس گھر کے صدقے میں جواس کے دو مقدس مردوں، ابراہیم واسماعیل نے بنایا تھا، عربوں کو ایک دینی، معاشی، معاشرتی اور تمدنی مرکز عطا فرمایا، ایسا مرکز جوتا قیام قیامت ملت مسلمہ وپیروان ابراہیم واسماعیل کو اتحاد واتفاق کی لڑی میں پروئے رکھے گا (۶)

رسالت اسماعیل کے اثرات :

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبی ورسول ہوئے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (۷)

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو، وہ وعدے کے سچے اور ایسے نبی تھے جو منصب رسالت پر فائز تھے۔

حضرت اسماعیل کے مذہب کے اثرات مرورِ ایام کے باوجود حج کعبہ، مناسک حج، اشہر حرم کی پاسداری، قوانینِ نکاح وطلاق اور بعض طریقۂ بیع وشرا کی صورت میں موجود ہے۔ نیز ہر دور میں بعض اللہ کے نیک بندے دینِ حنیف کے جویاں رہے ہیں۔ ہم نے مذاہبِ عرب کے بیان میں اس کا ذکر کیا ہے (۷/الف)۔

اولادِ اسماعیلؑ:

عربوں کے بیان اور تورات کی روایت کی رو سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے یا ان کی نسل سے بارہ خاندان چلے۔ ان بارہ بیٹوں میں دو بیٹوں نبایوط (نابط، نبط) اور قیدار کو زیادہ شہرت ملی اور ان کی نسل سے عرب کے متعدد قبائل کا تعلق ہے۔ بعض قدیم نسابین امام بخاری اور عہد حاضر کے شرق شناس علما کی یہ رائے ہے کہ مدینے کے اوس وخزرج، بصریٰ کے غسانی اور شاہانِ الحجرا سی نبایوط یا نابت کی اولاد تھے اور نسابین کا یہ ادعا کہ یہ قبائل قحطانی النسل اور یمنی الوطن ہیں درست نہیں ہے۔ اسی طرح بعض ایسے قبائل اور نسلی گروہ اور بھی ہیں جنہیں روایتوں کے مغالطوں میں اسیر نسابین نے قحطانی سمجھ رکھا ہے مگر وہ نسل اسماعیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لئے بعض علمائے انساب نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ عرب سب کے سب بنو اسماعیل ہیں اور خود قحطان کہ یمنی عربوں کا پدر اول کہلاتا ہے اولاد اسماعیل ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے صرف دو کی نسلیں باقی ہیں، جبکہ دس بیٹوں کی اولاد واَفناد سے نسابین بالعموم ناواقف ہیں، تو کیا نسابین کی بے خبری ان دس نسلوں کی بربادی کی دلیل ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ ان کی نسلیں ان قبائل میں شمار کرلی گئی ہیں جنہیں قحطانی اور یمنی فرض کرلیا گیا ہے؟ اور کیا، راویوں کا یہ دعویٰ کہ جو عرب ہے وہ اسماعیل کا بیٹا ہے، اس حقیقت کی غمازی تو نہیں کررہا ہے کہ دس اسماعیلی قبائل ہی میں ان عربوں کے جد اول ہیں جو آج قحطانی کہلاتے ہیں؟ یہ سوالات غور وفکر کے نئے دریچے کھولتے ہیں (۸)۔

نابت بن اسماعیل :

بہر کیف حضرت اسماعیل کے بعد ان کا بڑا بیٹا بنایوط (نابت یا نبت) ان کا جانشین ہوا اور بیت اللہ کی تولیت اس کو ملی ،لیکن اس کے ننہیالی بنی جرہم جو مکہ میں کثرت سے آباد تھے اس کی اولاد سے بیت اللہ کی تولیت اور مکہ کی امارت چھیننے میں کامیاب ہوگئے اور آل نبایوط عرب کے مختلف خطوں میں منتشر ہوگئے، مقام حجر میں، بصریٰ اور یثرب کے شہروں میں اور یہاں سے بھی آگے چل کر عراق کے مقامات کوثی اور بابل میں بھی ان کے گروہ جا کر آباد ہوگئے۔ظہور اسلام اور صدر اول میں یہ لوگ غلے اور دوسری اشیا کی تجارت کرتے تھے اور اپنی خاندانی انفرادیت ایک طرح سے کھوکر پراگندہ ہوگئے تھے ماسوائے انصار مدینہ (غسان شام) کے ان کا کوئی اہم خاندان اپنے پدر بزرگ کی میراث کا وارث نہ رہ گیا تھا(۹)۔

قیدار بن اسماعیل :

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرا بیٹا قیدار جو اپنے بھائی نبایوط سے عمر میں چھوٹا تھا، شرف و مجد میں اس سے بہت بڑا تھا۔اس کا نام تورات کے صفحات میں اسیریا کے کتبات میں اور یونانیوں کے مندرجات میں امتیاز کے ساتھ مذکور ہے۔اور اس سے بھی بڑھ کر قیدار کو جو شرف حاصل ہے وہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے جد بزرگ ہونے کا فخر اس کو نصیب ہوا۔قیدار اور اس کی اولاد عرب کے جس حصہ میں پھلی پھولی وہ حجاز، تہامہ اور نجد کے خطے ہیں۔قیداری قبائل عراق و شام کی عربی سرحدوں تک پہنچ چکے تھے اور ان کی بستیاں وہاں بھی قائم تھیں۔ہم تاریخ کے جس عہد کی ترجمانی کر رہے ہیں، اس میں عربوں کے جو قبائل عرب مستعربہ، اسماعیلی عرب اور شمالی عرب کے ناموں سے شہرت رکھتے ہیں، اسی قیدار بن اسماعیل کی اولاد میں ہیں۔ان تمام عرب قبائل کا سلسلۂ نسب عدنان بن ادد کے واسطے سے قیدار تک پہنچتا ہے۔اس بات پر ماہرین انساب، ارباب مغازی وسیر، محدثین و مستشرقین سبھی تواتر کی حد تک متفق ہیں کہ عدنان بن ادد، قیدار کے خانوادے سے تعلق رکھتا تھا، جناب رسول اللہ ﷺ کا نسب پاک عدنان تک حرف بحرف درست اور متواتر روایات سے ثابت ہے، اس پر بھی رواۃ کا تواتر ہے کہ عدنان حضرت اسماعیل کی نسل سے تھا، مگر اس کے اور حضرت اسماعیل کے درمیان کتنی پشتیں ہیں ان میں سخت اختلاف ہے۔بلاذری، ابن قتیبہ، ابن سعد، ابن ہشام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عدنان جو تمام اسماعیلی

عربوں کا جداعلیٰ ہے، نابت بن اَلْھَمَیْسَع بن تیمن بن نبت بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ کی نسل میں ہے۔ عدنان بن اددا اور نابت بن اَلْھَمَیْسَع کی درمیانی پشتیں جونسابین نے گنوائی ہیں، وہ بہت کم ہیں یعنی آٹھ نو سے زیادہ نہیں ہیں جبکہ انہیں اس سے بہت زیادہ ہونا چاہئے کیوں کہ ان کے درمیان کئی صدیاں ہیں: وَقُرُوْنًا م بَیْنَ ذٰلِکَ کَثِیْرًا O (۱۰)

عدنان :

اس تمہید کے بعد ہم اولادِ اسماعیل کا ذکر عدنان بن ادد سے شروع کریں گے اور فخر وُلد آدم، اشرف ابنائے خلیل او افضل پسران اسماعیل یعنی سید الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اسے ختم کریں گے۔ شاعر کہتا ہے ؎

کَمْ مِن ابٍ قَد عَلا بِابنٍ لَهُ شرف
کَمـا عَـلا بِـرسـولِ اللهِ عدنـانُ

کتنے ایسے باپ ہیں جنہیں بیٹوں کی نسبت سے شرف حاصل ہوا۔ جس طرح کہ
عدنان کو جناب رسول اللہ کے انتساب سے علو و رفعت نصیب ہوئی۔

ہم نے مقالۂ اول میں عدنان سے فہر قریش تک اور فہر قریش سے جناب رسول اللہ ﷺ تک کے شجر ہائے نسب درج کر دیئے ہیں انہیں وہیں دیکھنا چاہئے یہاں ہم مشہور افراد قبائل کا ذکر کریں گے اور قُصَیّ بن کلاب سے عبداللہ بن عبدالمطلب تک کے حالات پر امکانی حد تک وضاحت سے بات کریں گے۔

مضر بن نزار :

مُضر بن نزار، مَعَد کا پوتا اور عدنان کا پڑپوتا ہے، تمام مضری قبائل کا جد اول وہی ہے۔ اس کی ماں سودہ تھی جو عک بن عدنان کی بیٹی تھی۔ اس کا ایک ہی بیٹا الیاس تھا جس سے اس کی نسل چلی۔ عربوں کی روایت کی رو سے مضر نہایت خوش الحان تھا اور حُدی کا موجد وہی ہے کہ عربی نغمے کی ایک نرالی قسم اور اونٹ کی رفتار تیز کرنے کی غرض سے ایجاد کی گئی تھی۔

کنانہ بن خُزَیمہ :

کنانہ، مضر کے پوتے مدرکہ بن الیاس کا پوتا ہے، اس کا باپ خُزَیمہ ہے۔ اور ماں مضری قبیلے

قیس عیلان کی عوانہ بنت سعد ہے۔قریش، بنی یخلد، بنی صلت، بنی یلکان اور بنی عبد مناۃ سے منسوب قبائل اس کی ذریت ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا نسلی انتساب اسی کنانہ سے کیا ہے۔قبائل کنانہ قریش کے ہم جدی ہونے کے ناطے صلح و جنگ میں ان کے حلیف تھے۔

نَضَر بن کنانہ :

نَضَر ، کنانہ کا بیٹا اور فہر قریش کا دادا ہے۔اس کا نام قیس ہے مگر اپنے حسن و جمال کی وجہ سے اسے نَضَر کا نام دیا گیا۔اس کی ماں مشہور مضری قبیلہ بنوتمیم کی بَرَّہ بنت مُرّ ہے۔بعض نسابین کا یہ خیال ہے کہ یہی نَضَر بن کنانہ قریش ہے اور اس کی اولاد کہ اس کے تین بیٹوں یخلد ،صلت اور مالک کی نسل سے ہے،قریش کہلاتی ہے،مگر نسابین کی کثیر تعداد اس کے پوتے فہر بن مالک بن نضر کو قریش کہتی ہے،یوں قریش کی جماعت سے یخلد وصلت کی نسلیں ان کے نزدیک قریش نہیں،بنو کنانہ ہیں،خود قُرشی بھی بنو کنانہ سے ہی ہیں۔

فہر قریش بن مالک :

فہر مالک کا بیٹا،نضر کا پوتا اور کنانہ کا پڑپوتا ہے۔اس کی ماں جندلہ بنت حارث ہے، جو کنانہ کے چچا ہذیل کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔اس کے تین بیٹوں غالب، حارث اور محارب سے قبیلۂ قریش کی نسل وابستہ ہے۔قریش کے لغوی معنی کیا ہیں؟اس میں کئی روایتیں ہیں،ایک روایت یہ ہے کہ لفظ قریش کی اصل التقَرُّش ہے،جس کے معنی ہیں التَّجمُّعُ بَعدَ التَّفرُّقِ یعنی علیحدگی کے بعد اکٹھا ہو جانا۔چونکہ قریش کے بطون منتشر ہوگئے تھے اور قُصَیّ کے ہاتھوں پھر اکٹھا اور جمع ہوئے،اس لئے انہیں قریش کہا گیا،دوسری روایت یہ ہے تَقَرُّش کے معنی ہیں اَلتَّکَسُّبُ و التِجارَۃِ مشہور لغت نویس الجوہری کی یہی رائے ہے اور چونکہ اس قبیلے(بنونضر بن کنانہ) کا ذریعہ معاش تجارت اور کاروبار تھا اس لئے انہیں قریش کہا گیا(۱۱)۔

ایک تیسری روایت ماہر انساب کلبی کی ہے،وہ کہتا ہے کہ تَقرِیش کے معنی ہیں تَفتِیشٌ یعنی لوگوں کے حالات معلوم کرنا چونکہ فہر کا دادا نضر بن کنانہ لوگوں کے حالات دریافت کرتا اور ان کی مالی مدد کرتا تھا،اس لئے اس کی اولاد کو قریش کے نام سے پکارا جانے لگا،اس کے بعد اس کی اولاد موسم حج میں حجاج کی خبر گیری کرتی،ان کی مالی دستگیری کرتی اور ان کی آسائش کا خیال رکھتی تھی سو اسے قریش کہا گیا۔

چوتھی روایت حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ قریش ایک آبی

جانور ہے جو دوسرے آبی جانوروں سے جثے میں بڑا اور طاقت میں بڑھا ہوا ہوتا ہے، قریش قبائل عرب میں اپنی قوت وسطوت کے سبب اس نام سے مشہور ہوئے۔ قریش کے مشہور نسابہ زبیر بن بکار قرشی کا بیان ہے کہ لفظ قُرَیشٌ، قَرْشٌ کی تصغیر ہے۔ بہرکیف قریش لقب ہے جو فہر بن مالک یا اس کے دادا نضر بن کنانہ سے متعلق ہے اور یہی اسم جامع ان کی اولاد کا قرار پایا، اہل مکہ کو قرآن میں بھی اسی نام سے پکارا گیا اور اسی نام کی ایک سورۃ موجود ہے (۱۲)۔

قریش کی تاریخ :

تاریخ عرب میں ہر چند کہ قریش ۳۲۵ء کے قریب وارد ہوئے مگر پانچویں صدی عیسوی کے قریباً نصف تک انہیں حجاز یا عرب کی تاریخ میں کوئی شہرت و نام وری حاصل نہ ہوسکی۔ حتیٰ کہ خانہ کعبہ جو ان کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تعمیر ہے، اس پر بھی خزاعہ کے قبائل کا قبضہ تھا اور مکہ میں ان کی کوئی قابلِ ذکر حیثیت باقی نہ تھی، بلکہ وہ شہر اور اس کے گردونواح میں منتشر تھے۔ مگر ۴۵۰ء کے قریبی زمانے میں ان میں ایک نامور فرد پیدا ہوا جس نے ان کے بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کیا، ان میں ملی شعور بیدار کیا اور انہیں حجاز ہی نہیں تمام عرب کی سیاسی، معاشی و مذہبی زندگی میں ایک فعال عنصر بنادیا۔ اس فخر قبیلہ شخص کا نام زید اور لقب قصی ہے، یہ قصی فہر قریش کی چھٹی پشت میں ہے اور آنحضرت ﷺ کے پردادا ہاشم کا دادا ہے۔ (۱۳)

کعب بن لوئی :

کعب بن لوئی، فہر قریش کا پڑپوتا اور قصی بن کلاب کا پردادا ہے۔ قریش کا شرف اس کی اولاد میں ہے، جو تمدن و مضارت میں عامر بن لوئی اور تیم الادرم بن غالب اور بنو محارب و حارث سے ممتاز ہیں۔ کعب بن لوئی کا خاندان ''قریش البطائح'' کہلاتا تھا اور شہر میں متمدن زندگی بسر کرتا تھا۔ جبکہ دوسرے گروہ بیشتر 'قریش الظواہر'' کہلاتے تھے اور شہر کے مضافات میں بودوباش رکھتے تھے۔ کعب کی ماں ماویہ بنت کعب بن قیس بنو قضاعہ سے تعلق رکھتی تھی۔ کعب عظیم المرتبت اور معزز سردار تھا۔ حج کے موسم میں حاجیوں کو وہی خطاب کرتا تھا۔ اس کے جستہ جستہ خطبے کتب تاریخ وادب میں محفوظ ہیں۔ (۱۴)

قُصَیّ :

کلاب بن مُرّہ کے بیٹے اور کعب بن لوئی کے پڑپوتے قصی کا نام زید ہے اور قُصَیّ لقب۔ اس لقب کا سبب یہ ہے کہ اس کی ماں فاطمہ بنت سعد ازدیہ، اسے مکہ سے ملک شام میں دور لے کر چلی گئی تھی، کیونکہ اپنے باپ کلاب بن مرہ کے انتقال کے وقت قصی صغیرسن تھا اور بیوہ ہونے کے بعد ماں نے بنوقُضاعہ کے بطن بنوعذرہ کے ایک سردار ربیعہ بن حرام سے عقد ثانی کر لیا تھا۔ قصی کا بڑا بھائی زہرہ بن کلاب سنِ شعور کو پہنچ چکا تھا اس لئے اس کے چچاؤں تیم بن مرہ اور یقظہ بن مرہ نے اسے مکہ میں روک لیا، قصی شیر خوار تھا، اس لئے اپنی ماں کے ساتھ شام چلا گیا، قصی نے شام میں بنوعذرہ میں پرورش پائی اور بڑھ پل کر جوان ہوا، اپنے سوتیلے بھائیوں کو اپنا حقیقی بھائی اور سوتیلے باپ کو ہی حقیقی باپ سمجھتا رہا۔ ایک دن بنوعذرہ کے ایک شخص سے اس کا جھگڑا ہو گیا، جس نے اسے غریب الوطنی کا طعنہ دیا۔ قصی کو جستجو ہوئی، اپنی والدہ سے دریافت کیا، معلوم ہوا کہ قریش سے نسلی پیوند ہے اور خاندانی مسکن مکہ کا شہر ہے۔ بہر کیف ماں سے اجازت لے کر قصی حج کے موسم میں بنوعذرہ کے ہمراہ مکہ آیا۔ اپنے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب سے ملا۔ زہرہ بینائی سے محروم ہو گیا تھا، مدت کے بچھڑے ہوئے بھائی کو چوم کر اور سونگھ کر پہچانا۔ خاندان کے دوسرے افراد نے بھی اس نوجوان کو خوش آمدید کہا۔ موسم حج کے اختتام پر قصی شام جانے کے بجائے مکہ میں ہی رک گیا۔ قصی نہایت قوی الجثہ اور بے حد صاحب جمال تھا۔ خُزاعہ کے سردار حُلَیل بن حبشیہ نے جو مکہ کا حاکم اور خانہ کعبہ کا متولی وکلید بردار تھا، قصی سے اپنی بیٹی حُبَـــیّ کو بیاہ دیا، حُلَیل کی موت کے بعد قصی نے اپنے زور بازو اور حسن تدبیر سے خانہ کعبہ کی تولیت حاصل کی۔ یہ تولیت قصی کو کس طرح ملی، اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ کعب بن لوئی کی اولاد میں قصی پہلا شخص تھا جسے خانہ کعبہ کی تولیت اور مکے کی حکومت ملی۔ قریش کے تمام بطون نے اس کی اطاعت کی۔ اس نے مکہ سے بنوخزاعہ اور بنوبکر کو نکال دینے کے بعد ایک منظم شہری ریاست کی بنیاد رکھی۔ قُـصَـیّ نے قریش کے اکثر بطون کو شہر میں لا کر بسایا اور ہر ایک کے لئے ایک محلّہ خاص کر دیا جہاں اس کے مکانات اور مشورہ گاہ ''نادی'' کی عمارت ہوتی تھی۔ قصی نے نسبتاً طویل عمر پائی اور مرنے کے بعد حجون میں اسے دفن کیا گیا۔ قریش اس کی قبر کی زیارت کرتے تھے۔ قصی کی بیوی حُبَـیّ بنت حُلَیل خُزاعیہ کے بطن سے چار بیٹے عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ، عبدقصی اور دو بیٹیاں تخمر اور بَرّہ پیدا ہوئے۔ (۱۵)

عبدمناف :

قصی کے دوسرے بیٹے عبدمناف کا نام مغیرہ اور حسن و جمال کے سبب لقب ''قمر'' تھا۔ اپنے

سب بھائیوں میں عبد مناف سب سے زیادہ باصلاحیت تھا،اس کا عہد حسب خیال مولانا سید سلیمان ندویؒ ۵۰۰ءکا زمانہ ہے۔قصی کے بعد اس کا بڑا بیٹا عبدالدار اس کا جانشین ہوا۔مگر وہ کمزور شخص تھا،اس لئے باپ کی جانشینی کا حق دار عبد مناف ہوا،اس نے قصی کے کاموں کی تکمیل کی اور مکہ میں قریش کی آبادکاری کے کام کو جاری رکھا۔عبد مناف کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔مگر شہرت اس کے چار بیٹوں، ہاشم،عبد شمس، مطلب اور نوفل کو ملی۔ ان سب نے قریش کی عظمت کو چار چاند لگائے اور ان کے لئے تجارتی راہداری کے پروانے حاصل کئے۔مطلب نے بادشاہ حبشہ نجاشی سے، ہاشم نے قیصر روم ہرقل سے اور نوفل نے کسریٰ سے عراق میں تجارت کی اجازت حاصل کی۔مگر طبری کا بیان ہے کہ ہاشم نے شام کے حکمراں اور غسانیوں سے عبد شمس نے نجاشی اکبر بادشاہ حبشہ سے،نوفل نے شہنشاہ فارس سے اور مطلب نے حمیری حکمرانوں سے ان کے ملکوں میں تجارت کے پروانے حاصل کئے۔اس بنا پر ان چاروں بھائیوں کو مُجبّرین کہا جاتا ہے کیونکہ انہیں کے ذریعے اللہ نے قریش کو فقر کے بعد غنا عطا کی۔(۱۶)

ہاشم بن عبد مناف :

عمرو نام، ہاشم لقب اور ابوزید و ابواسد کنیت ہے۔عمرو کا لقب ہاشم پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے مکہ میں روٹیاں توڑ کر ثرید پکوایا اور اپنی قوم کی ضیافت عام کی۔اس دعوت عام کی وجہ یہ تھی کہ ایک سال قریش قحط سالی کا شکار ہوئے، ہاشم غزّہ (فلسطین) سے آٹا خرید کر لایا،اس کی روٹیاں پکوائیں،اونٹ ذبح کئے اور ثرید تیار کروا کر لوگوں کو کھلایا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہاشم نے قریش کے تجارتی کاروانوں کے لئے گرما و سرما کے سفروں کی تعین کی تھی۔ایک قافلہ موسم سرما میں یمن و حبشہ جاتا تھا اور دوسرا قافلہ موسم گرما میں شام و غزہ کا سفر کرتا تھا۔کبھی کبھی یہ کارواں انقرہ تک جاتا تھا، جہاں قیصر روم ہاشم کو شرف باریابی بخشتا تھا۔بیان کیا جاتا ہے کہ ہاشم اور اس کے بھائیوں مطلب،عبد شمس اور نوفل نے جب کافی قوت حاصل کر لی تو انہوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے بنو عبدالدار سے حجابہ،لواء رفادہ اور سِقایہ اور ندوہ کے مناسب چھین لینے چاہے۔اس کوشش میں بعض بطون قریش نے ہاشم اور اس کے بھائیوں کا ساتھ دیا جبکہ بعض بطون نے عبدالدار اور اس کی اولاد کی حمایت کی۔اس کشمکش میں نوبت جنگ تک پہنچ گئی مگر جنگ کو مصالحت کاروں نے رکوا دیا اور اس شرط پر فریقین میں صلح ہو گئی کہ بنو عبد مناف کو سقایہ اور رفادہ کے مناصب دے دیئے جائیں اور بنو عبدالدار کے پاس حجابہ،لواء اور ندوہ کے عہدے

رہنے دیئے جائیں۔ بنوعبد مناف کی جانب سے ہاشم سقایہ اور رفادہ کا نگراں مقرر ہوا ہاشم نے موسم حج میں زمزم کے قریب حوض بنا کر حجاج کے لئے پانی کا انتظام کیا اور ان کی ضیافت کے لئے ہر سال ایک بڑی رقم خرچ کرنی شروع کی ہاشم نے مدینہ کے قبیلہ خزرج کی مشہور شاخ بنونجار کی ایک شریف خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کی تھی جس کے بطن سے اس کا بیٹا شیبۃ الحمد تولد ہوا۔ ہاشم نے ایک تجارتی سفر کے دوران میں فلسطین کے مقام غزّہ میں انتقال کیا اور وہیں پیوندِ زمین ہوا۔ ہاشم کے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہوئیں، مگر ان سب میں سے صرف ایک بیٹے شیبۃ الحمد سے نسل چلی۔ (۱۷)

عبدالمطلب :

ہاشم کے بیٹے شیبہ کی عرفیت عبدالمطلب ہے۔ پیدائش اور بچپن یثرب (مدینہ) میں اپنی ننھیال بنونجار میں گزرا۔ ان کے چچا مطلب کو بھتیجے کے بڑے ہونے کا علم ہوا تو یثرب جا کر انہیں مکہ لایا۔ اس وقت شیبہ کی عمر سات آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس بچے نے اپنے چچا کے زیرِ سایہ پرورش پائی اور اس کی وفات کے بعد بنوعبد مناف کے مناصب رفادہ و سقایہ اور خاندان کی ریاست انہیں ملی۔ عبد المطلب قریش میں حسن و جمال، حلم و وقار سخاوت و صلح جوئی میں نمایاں تھے۔ وہ قریش کے ارباب حل و عقد میں شمار ہوتے تھے اور ان کے ''حکام'' میں تھے۔ عرب کے تمام قبائل ان سے عزت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ جب یمن جاتے تو بنی حمیر کے کسی سردار کے ہاں قیام کرتے تھے۔ ان کے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے جس بادشاہ نے انہیں دیکھا ان کی عزت کی۔

عبدالمطلب نے زمزم کے کنوئیں کو جو پٹ گیا تھا اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا، دوبارہ کھدوایا جس سے اہل مکہ اور حاجیوں کو سہولت ہوئی وہ زمزم سے پانی بھر کر عرفات تک لے جاتے تھے جہاں اسے حجاج استعمال کرتے تھے۔ عبدالمطلب مالدار آدمی تھے۔ تجارت کے علاوہ ان کے پاس کافی اونٹ اور زمینیں تھیں۔ طائف میں ان کا ایک چشمہ بھی تھا جس کا نام ذوالہرم تھا۔ قریش میں ان کا ہر فعل قابل تقلید سمجھا جاتا تھا۔ یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے قتل کی دِیت دس اونٹوں سے بڑھا کر سو اونٹ کر دی تاکہ قتل کی واردات کم ہو جائے، تمام عرب نے ان کی تقلید کی۔ عبدالمطلب نے بڑی طویل عمر پائی اور بیاسی (۸۲) یا براویتِ دیگر ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اور حجون کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں میں حارث، زبیر، ابو طالب عبد

مناف، عبداللہ، عباس، حمزہ، اور ابولہب عبدالعزیٰ کو اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اسلام کی حمایت یا مخالفت کی وجہ سے شہرت ملی۔ بیٹیوں میں چھ کی چھ کو اس لحاظ سے یاد رکھا گیا ہے کہ وہ یا ان کی اولاد نے اس عہد کی تاریخ میں نام پایا۔ ان کے نام ہیں ام حکیم بیضاء، عاتکہ، برّہ، اُمیمہ، اردیٰ اور صفیہؓ۔ ان میں زبیر، ابو طالب، عبداللہ، عاتکہ، ام حکیم بیضاء، برّہ، اُمیمہ اور اردیٰ کی ماں بنومخزوم قریش کی خاتون فاطمہ بنت عمر بن عایذ بن عمران بن مخزدم ہیں (۱۸)۔

عبداللہ بن عبدالمطلب :

اپنے حقیقی بھائیوں زبیر اور ابو طالب سے عبداللہ عمر میں چھوٹے تھے۔ ان کی والدہ بنومخزوم قریش کی خاتون فاطمہ بن عمرو تھیں۔ عبداللہ خصائل حمیدہ اور صفات ستودہ میں نمایاں اور خوب صورت جوان تھے۔ باپ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ عبداللہ جب جوان ہوئے تو ان کے والد عبدالمطلب نے ان کی شادی قریش کی مشہور شاخ بنوزہرہ بن کلاب کے رئیس وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کی صاحب زادی آمنہ بنت وہب سے کر دی۔ عبداللہ نے بہت کم عمر پائی، ابھی رسول اللہ ﷺ شکم مادر ہی میں تھے کہ وہ حسب معمول تجارت کی غرض سے غزہ (فلسطین) گئے۔ واپسی میں بیمار پڑ گئے، جب قریش کا قافلہ مدینے پہنچا تو عبداللہ کے مرض نے شدت اختیار کر لی۔ مجبوراً اپنے والد عبدالمطلب کی نانہیال بنی نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔ جب اہل کارواں مکے واپس پہنچے تو عبدالمطلب نے بیٹے کو نہ پا کر دریافت کیا۔ ان کی علالت کی اطلاع پر انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا کہ عبداللہ کو مکہ لائیں۔ جب حارث مدینے پہنچا تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور انہیں بنونجار کے ایک شخص نابغہ کے گھر میں دفن کر دیا گیا تھا۔ وفات کے وقت ان کا سن صرف پچیس سال تھا، یہ اطلاع لے کر حارث مکہ واپس آیا۔ جب بوڑھے باپ کو جواں سال بیٹے کی موت کی خبر ملی تو انہیں سخت صدمہ ہوا۔ ان کے بھائی اور بہنوں نے بھی بھائی کا بڑا غم کیا۔ عبداللہ کی شریکہء حیات جناب آمنہ نے شوہر کی وفات پر دردناک مرثیہ کہا۔ یہ مرثیہ کتب سیر و تاریخ میں محفوظ ہے مگر ان اشعار کی ثقاہت پر علما کو سخت اشتباہ رہا ہے۔

عبداللہ کی وفات کے وقت ان کے بیٹے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ شکم مادر میں تھے اور اس حادثے کے بعد ان کی ولادت ہوئی۔ آپ ﷺ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ ﷺ کا کوئی بھائی یا بہن نہیں پیدا ہوا۔ عبداللہ نے ترکے میں ایک باندی ام ایمن برکہ، پانچ اونٹ، بھیڑ بکریوں کا ایک

ریوڑ اور کچھ نقدی چھوڑی۔ آنحضرت ﷺ ان چیزوں کے وارث ہوئے (۱۹)۔

جناب آمنہ :

آنحضرت ﷺ کی والدہ جناب آمنہ کے والد قصی کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب کے خاندان سے تھیں والد وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر (قریش) تھا۔ جناب آمنہ کی والدہ بَرَّہ بنت عبد العزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب تھی۔ آنحضرت ﷺ کی والدہ جناب آمنہ کی نانی کا نام تھا ام حبیب بنت اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب۔ ان کی دادی بنوخزاعہ کی قیلہ بنت ابی قیلہ تھی۔ آمنہ نے بیوگی کے چھ سال گزار کر مقام الابواء میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئیں (۲۰)۔

بچپن سے جوانی تک

ولادت باسعادت :

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صبح صادق کے وقت، پیر کے دن، ۱۲ ربیع الاول کو عام الفیل کے سال مکہ میں پیدا ہوئے۔ عام الفیل یعنی ابرہہ حبشی کے حملۂ مکہ کے بروایات مختلفہ تیس سے پچپن دن کے بعد آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ سہیل کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت کی تاریخ ۲۰ نیسان (اپریل) ۸۸۲ سال ذوالقرنین ہے۔ مشہور مصری ماہر ہیئت محمود پاشا فلکی کی تحقیق کی رو سے یہ تاریخ ۲۰/اپریل ۵۷۱عیسوی کے مطابق ہے۔ مگر ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے مطابق یہ جولائی ۵۶۹ء ہے۔ جس مکان میں آپ ﷺ پید ہوئے، بعد میں وہ بیت محمد بن یوسف کہلایا اور عہد اموی تک اس کا یہی نام رہا۔ دورِ عباسی میں تیسرے عباسی خلیفہ محمد المہدی کی ملکہ خیزران نے کہ خلیفہ الہادی اور الہارون کی ماں تھی اس مکان کو مسجد میں تبدیل کرادیا اور حافظ ابن کثیر دمشقی کے زمانے آٹھویں صدی ہجری تک اس مکان کی یہی حیثیت رہی۔ دولت عثمانیہ میں اس مسجد کی بڑی پیمانے پر تعمیر ہوئی اور وہاں ایک دینی درسگاہ قائم کردی گئی۔ ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۵ء) میں یہ عمارت منہدم ہوگئی اور اسے از سرِ نو تعمیر کیا گیا اور اس کے ساتھ ایک لائبریری بھی قائم کی گئی۔ اب سے چند سال پہلے یہاں وزارت اوقاف کا دفتر قائم کردیا گیا مگر لائبریری

اب بھی موجود ہے۔ یہ مکان بڑا اور دو منزلہ ہے (۲۱)۔

عقیقہ اور رسمِ اسم گزاری :

پوتے کی ولادت کی اطلاع پا کر جناب عبدالمطلب نومولود مسعود کو گود میں لے کر خانۂ کعبہ میں گئے۔ یہ دیکھ کر کہ آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے ہیں اور آپ کی نال کٹی ہوئی ہے۔ انہیں مسرت آمیز حیرت ہوئی۔ انہوں نے دعا کی اور واپس گھر لائے۔ ساتویں دن پوتے کا عقیقہ کیا، آثار و قرائن سے اس کے مستقبل کی پیش گوئی کی اور محمد ﷺ نام رکھا۔ عربی زبان میں محمد اس شخص کو کہتے ہیں جس میں تمام اچھے اوصاف جمع ہوں۔ جناب آمنہ نے خواب میں فرشتے کی بشارت سے آپ ﷺ کا نام احمد رکھا۔ یوں آپ کے نام احمد و محمد ہوئے۔ (۲۲)

رضاعت :

آپ ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا اور اسی دوران چند روز تک آپ کے چچا ابولہب عبدالعزیٰ کی لونڈی ثُوَیبَہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ روایت ہے کہ اسی ثویبہ نے ابولہب کو بھتیجے کی ولادت کی خبر دی تھی اور اس نے خوش ہو کر اسے آزاد کر دیا تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور مدینے سے اس کی مالی اعانت فرماتے رہتے تھے۔ اس ثویبہ نے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ اور آپ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت ابوسلمہؓ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔ مگر ثویبہ اور والدہ ماجدہ کی رضاعت کی مدت چند دنوں سے زائد نہ تھی۔ (۲۳)

حلیمہ سعدیہ :

شرفائے قریش کا دستور تھا کہ اپنے نومولود بچوں کو خالص عربی زبان سکھانے اور قولی خصوصیات کو محفوظ رکھنے کی غرض سے قرب و جوار کے دیہاتوں میں دودھ پلانے والی عورتوں کی سپرد کر دیتے تھے اور اس خدمت کے عوض انہیں ایک مقررہ رقم ادا کرتے تھے۔ چنانچہ ہر چھ مہینے میں ایک بار یہ عورتیں مکے آتیں اور بچوں کو رضاعت کی غرض سے اپنی بستیوں میں لے جاتی تھیں۔ جناب سرور کائنات ﷺ کی ولادت کے موقع پر مشہور مضری قبیلے قیس عیلان کی شاخ بنوسعد بن بکر بن ہوازن کی دس عورتیں مکے اس غرض سے آئیں۔ انہیں میں حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ بھی اپنے شوہر حارث بن

عبدالعزیٰ کے ہمراہ مکہ آئیں ۔ بنو سعد کو فصیح عربی زبان میں سند سمجھا جاتا تھا اور قبائل عرب میں ان کی فصاحت و بلاغت مشہور تھی ۔ چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ بنی سعد سے اپنے اس تعلق پر زبان دانی کے حوالے سے فخر کیا کرتے تھے ۔ جناب آمنہ نے انہیں حلیمہ کو آنحضرت ﷺ کی رضاعت کے لئے پسند کیا اور وہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ ہوازن کی بستیوں میں لے گئیں ۔ وہ سال خشک سالی اور قحط کا سال تھا، جانوروں کے تھن سوکھ گئے تھے، درخت بے برگ و ثمر تھے اور ہریالی کا کوسوں نام و نشان نہ تھا، مگر آپ ﷺ کی برکت سے یہ مصیبت ٹل گئی، جناب حلیمہ کا بیان ہے کہ ہمارے جانور تازہ دم ہو گئے ۔ ہمارے جسموں میں ایک نئی جان آ گئی، درخت سرسبز ہو گئے اور ہماری بستی میں ہریالی ہی ہریالی ہو گئی ۔

رضاعی بھائی بہن :

جناب حلیمہ سعدیہ کے بیٹے عبداللہ بن حارث کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا تھا ۔ ان کے علاوہ ایک بیٹی انیسہ اور دوسری جذامہ شیما تھیں ۔ جزامہ شیما، بڑی تھیں اور آنحضرت ﷺ کی دیکھ بھال انہیں کے ذمے تھی (۲۴) ۔

ہوازن کی بستی میں :

جناب رسول اللہ ﷺ حلیمہ سعدیہ کے ہاں کتنے عرصے رہے، اس میں روایتیں مختلف ہیں ۔ صحیح روایات کی رو سے آپ ﷺ کا قیام چار یا پانچ سال تک وہاں رہا، جناب حلیمہ ہر چھ ماہ بعد آپ ﷺ کو مکے لاتیں اور والدہ کو دکھا کر واپس لے جاتی تھیں ۔ جب دو سال گزر گئے اور مدت رضاعت پوری ہو گئی، تو وہ آپ ﷺ کو واپس کرنے کی غرض سے مکہ لے کر آئیں، مگر جناب حلیمہ کا بیان ہے کہ میرا جی چاہتا تھا کہ وہ میرے ہاں کچھ عرصے اور رہیں، چنانچہ میں نے بی بی آمنہ سے کہا: ''میرے اس بیٹے کو میرے پاس ابھی اور رہنے دیجئے تا کہ یہ خوب پل کر تنومند ہو جائے'' ۔ اس زمانے میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی اس لئے جناب آمنہ راضی ہو گئیں اور حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو واپس اپنے ہاں لے کر آئیں ۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنی دائی کے ہاں چار پانچ سال کی عمر تک رہے (۲۵) ۔

شقِ صدر :

جناب حلیمہ کی مکے سے واپسی کے دو تین مہینے بعد ایک روز جناب رسول اللہ ﷺ اپنے

رضاعی بھائی کے ساتھ گھروں کی عقب میں تھے کہ وہ بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ ''میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو سفید پوش آدمی آئے اور انہوں نے ان کا پیٹ چاک کر دیا۔'' حلیمہ اور ان کے شوہر بھاگتے ہوئے گئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں اور آپ ﷺ کا رنگ فق ہے۔ پوچھنے پر آپ ﷺ نے انہیں بتایا کہ دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے، مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی اور پیٹ کو پھر ویسا ہی کر دیا۔ اس کے بعد حلیمہ اور ان کے شوہر آپ ﷺ کو گھر واپس لائے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے شق صدر کے واقعے کو اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے:

> فرشتوں نے ظاہر ہو کر آپ ا کے سینے کو چیرا، قلب کو نفسانی آلائشوں سے پاک کر کے ایمان وحکمت سے بھر دیا۔ یہ واقعہ عالم مثال و عالم شہود کے بین بین ظہور پذیر ہوا، اس لئے چیرہ دینے سے آپ ا کی ہلاکت کا کوئی خطرہ پیش نہ آیا اور (سینے کے) دھاگے کا اثر باقی رہا۔ اس طرح وہ تمام واقعات ہوتے ہیں جو عالم مثال و شہود کے اختلاط وامتزاج سے پیش آتے ہیں۔ (۲۶)

جناب آمنہ کی وفات :

جب رسول اللہ ﷺ چار یا پانچ سال کے ہوئے تو جناب حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کو مکہ لا کر والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیا۔ جب آپ ﷺ کا سن مبارک چھ سال کا ہوا تو والدہ ماجدہ آپ کو یثرب (مدینہ) لے گئیں۔ آپ کی خادمہ ام ایمن بھی ہمراہ تھیں۔ یثرب میں قبیلہ بنی النجار میں جناب عبدالمطلب کی نانہیال تھی اور یہیں نابغہ نامی شخص کے مکان (دارالنابغہ) میں جناب عبداللہ بن عبدالمطلب مدفون تھے۔ جناب آمنہ کا یہ سفر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کی غرض سے تھا اور شاید یہ بھی خیال ہو کہ بیٹے کو باپ کی قبر دکھا دیں۔ آپ نے اس نابغہ کے گھر میں قیام کیا۔ اس گھر میں ایک باؤلی تھی جس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے پیرا کی سیکھی۔ یہیں انیسہ نامی ایک لڑکی تھی جس کے ساتھ آپا کھیلتے اور بنونجار کے بچوں کے ساتھ وہاں بیٹھنے والے پرندوں کو اڑانے کا معصومانہ کھیل بھی کھیلتے تھے۔ بچپن کے یہ واقعات آپ ﷺ کو بعد کے زمانے میں بھی یاد تھے اور آپ انہیں لطف لے کر بیان فرماتے تھے۔ اس سفر سے واپسی میں الابواء کے مقام پر جو مدینہ سے مکہ کی راہ کی درمیان منزل ہے، جناب آمنہ نے انتقال کیا۔ اور وہیں سپرد خاک ہوئیں۔ آپ ﷺ کی خادمہ جناب ام ایمن آپ ﷺ کو الابواء سے

مکہ واپس لائیں اور دادا کے سپرد کیا۔ آپ ﷺ کو اپنی والدہ سے اتنی محبت تھی کہ بعد کے زمانوں میں جب مقام الابواء سے گزرتے تو ماں کی قبر پر ٹھہرتے اور انہیں یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ بلاذری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر میں جناب عبدالمطلب بھی ہم راہ تھے (۲۷)

جناب عبدالمطلب کی کفالت اور وفات :

چھ سال کی عمر سے آٹھ سال کی عمر تک دو سال کے قریب جناب رسول اللہ ﷺ اپنے دادا جناب عبدالمطلب کے زیر کفالت رہے۔ جناب عبدالمطلب آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہتے تھے اور اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک آپ ﷺ اس میں شریک نہ ہوں۔ کعبے کی دیوار کے سائے میں جناب عبدالمطلب کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا جس پر ان کے ادب کے سبب ان کے بیٹے نہ بیٹھتے بلکہ فرش کے کنارے بیٹھتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ جو ایک صحت مند لڑکے تھے آکر سیدھے اس فرش پر بیٹھ جاتے تھے، آپ ﷺ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے تو جناب عبدالمطلب کہتے کہ میرے بیٹے کو چھوڑ دو اس کا مزاج شاہانہ ہے، وہ کبھی کہتے خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔

لیکن دادا کی یہ شفقت و محبت بھی آپ ﷺ کو زیادہ دیر تک حاصل نہ رہی اور دو سال کے بعد جب آپ ﷺ کا سن آٹھ سال تھا، انہوں نے انتقال کیا۔ آپ دادا کے سرہانے کھڑے رو رہے تھے۔ بعد کے زمانے میں آپ ﷺ کو اپنے دادا کی وفات کے واقعات یاد تھے۔ چونکہ جناب آمنہ اور جناب عبدالمطلب کے انتقال کے وقت جناب رسول اللہ ﷺ کی عمر بالترتیب چھ اور آٹھ سال تھی اور یہ غم انگیز واقعات آپ ﷺ کی یادداشت میں مدت العمر محفوظ رہے، اس لئے ایک ذہین و ذکی بچے کے لئے جیسے کہ آپ ﷺ تھے یہ حادثات بڑی اہمیت رکھتے تھے اور آپ کی فطرت سلیم نے ان سے یقیناً بڑا اثر لیا ہوگا۔ (۲۸)

چچاؤں کی کفالت :

کتب سیر کی عام روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے ابو طالب عبد مناف کو جناب رسول اللہ ﷺ کے معاملات کا نگراں اور کفیل و سرپرست بنایا تھا۔ اور ایسا انہوں نے اس لئے کیا تھا کہ ابو طالب جناب رسول اللہ ﷺ کے والد جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔

ابو طالب مالی حیثیت سے کم زور اور کثیر العیال تھے لیکن وہ اپنے یتیم بھتیجے سے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے، تنگ دستی کے باعث جب ابو طالب کے بچوں کے آگے کھانا رکھا جاتا تو وہ سب اس پر جھپٹ پڑتے اور لوٹ کر سارا کھانا چٹ کر جاتے تھے، آپ ﷺ اس لوٹ مار سے الگ رہتے تھے، ابو طالب نے یہ دیکھ کر آپ ﷺ کے لئے کھانے کا ایک حصہ نکال کر الگ کر دیا اور آپ ﷺ اپنے چچازاد بھائی بہنوں سے الگ کھانا کھانے لگے۔ روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کے عیال تنگی ترشی سے بسر کرتے تھے اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا نہ ملتا تھا۔ یہ دیکھ کر جناب رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات صبح صبح چاہ زمزم پر جا کر پانی پی آتے اور جب کھانا رکھا جاتا تو دوسرے بچوں کو کھانے دیتے اور خود اس میں یہ کہہ کر شریک نہ ہوتے کہ مجھے خواہش نہیں ہے۔ میرا پیٹ بھرا ہے ابو طالب کی کفالت سے متعلق روایتوں کا خلاصہ اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ میں نے درج کر دیا ہے۔ (۲۹)

ابو طالب کی کفالت کی اس داستان سے وابستہ چند گتھیاں ہیں جن کو سلجھانا تاریخ کے طالب علم کے لئے ذرا دشوار امر ہے، میں ذیل میں انہیں بیان کرتا ہوں اور تاریخ پر غور کرنے والوں کو فکر و نظر کی دعوت دیتا ہوں:

(۱) ان روایات میں یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ جناب آمنہ اور جناب عبد المطلب کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ تہی دست، بے زر اور کنگال تھے اور انہیں کسی ایسے کفیل کی ضرورت تھی جو ان کے کھانے پینے اور دیکھ بھال کی ذمہ داری اٹھائے۔ حالانکہ انہیں راویوں نے یہ بھی روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے والد سے وراثت میں پانچ اونٹ، بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ، ایک تلوار اور کچھ نقدی اور ایک باندی جناب ام ایمن برکہ ملی تھیں۔ جناب عبد اللہ کی وفات کے بعد جناب آمنہ کی گزر بسر اسی ترکے سے تھی اور جناب عبد المطلب یا کسی اور کی کسی مالی مدد کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ جناب آمنہ کے سفر یثرب میں آپ کی سواری میں دو اونٹ تھے اور وہ حضرت آمنہ کی ملکیت تھے۔ یوں جناب آمنہ کے حینِ حیات رسول اللہ ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری انہیں پر تھی اور بی بی حلیمہ کو رضاعت کی اجرت بھی وہی دیتی تھیں، کیونکہ اس مدت میں وہ جناب آمنہ ہی کے پاس آتی تھیں۔ جناب آمنہ کی وفات کے بعد ان کا اثاثہ یقیناً جناب عبد المطلب کو منتقل ہوا ہوگا اور ان کے بعد ان کے بیٹوں اور رسول اللہ ﷺ کے متعلقہ چچاؤں کو۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی کفالت کی نوعیت مالی نہ تھی بلکہ کم سن بچے کی نگرانی اور دیکھ بھال سے زیادہ اس کی حیثیت نہ

تھی۔(۳۰)

(۲) راویوں نے ابو طالب کی کفالت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا اور آپ ﷺ کے والد جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ عبدالمطلب کے بیٹوں میں زبیر بن عبد المطلب باپ کے انتقال کے وقت سب سے بڑے تھے اور وہ ابو طالب و عبداللہ حقیقی بھائی تھے، ان تینوں بھائیوں اور پانچ بہنوں (ام حکیم بیضا، عاتکہ، برہ، امیمہ واردیٰ) کی ماں بنومخزوم کی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھیں (۳۱) عربوں کے عام دستور کے مطابق بڑا بیٹا باپ کا جانشین ہوتا تھا، زبیر عبدالمطلب کی وفات کے وقت ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے کیونکہ سب سے بڑے بیٹے حارث بن عبدالمطلب کا اپنے باپ کی زندگی میں انتقال ہو چکا تھا، اس لئے وہی اپنے والد کے جانشین اور بنو ہاشم کے سردار ہوئے۔ بلاذری وابن سعد نے اس کی متعدد مقامات پر تصریح کی ہے۔ وہی مکہ کی اعیانی ریاست بنو ہاشم سے متعلق رفادہ و سقایہ کے منصب پر فائز تھے اور حرب فجار میں بنو ہاشم کے رئیس وہی تھے۔ زبیر کی وفات کے بعد بنو ہاشم کی سرداری اور رفادہ و سقایہ کے مناصب ابو طالب کو حاصل ہوئے مگر انہوں نے ۲۵ ہزار درہم کے عوض یہ عہدے اپنے چھوٹے بھائی عباس بن عبدالمطلب کے ہاتھ بیچ دیئے (۳۲)۔ بہرکیف زبیر بن عبدالمطلب، باپ کے ''وصی'' بنو ہاشم کے سردار، رفادہ و سقایہ کے منصب دار اور قریش کے ''حکام'' (مقدمات کا فیصلہ کرنے والے) میں تھے اور رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا بھی تھے، اس بنا پر یہ امر باعث حیرت ہے کہ تمام معاملات میں تو باپ کے جانشین وہ ہوئے مگر جناب رسول اللہ ﷺ کی سرپرستی و کفالت کے لئے ان کے بجائے ابو طالب کو مقرر کیا گیا۔

(۳) بلاذری نے یہ روایت نقل کی ہے کہ راویوں کا بیان ہے کہ جناب عبدالمطلب نے مرض الموت میں اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (حسن سلوک و نگرانی) کی وصیت کی۔ زبیر اور ابو طالب آپ ﷺ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے اور زبیر عمر میں ابو طالب سے بڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی کفالت کے لئے زبیر اور ابو طالب میں قرعہ اندازی ہوئی۔ قرعہ ابو طالب کے نام نکلا، سو انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے خود ہی ابو طالب کو زبیر پر ترجیح دی، کیونکہ ان دونوں چچاؤں میں ابو طالب ان پر زیادہ مہربان تھے، یہ بھی مروی ہے کہ خود جناب عبدالمطلب نے ابو طالب کو آپ کی کفالت کی وصیت کی تھی۔ بعض راویوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جناب عبدالمطلب کے بعد زبیر آپ ﷺ کے کفیل ہوئے اور ان کی موت کے بعد کفالت کی

ذمہ داری ابو طالب نے اٹھائی۔ (بلاذری کا بیان ہے کہ) یہ روایت غلط ہے، کیونکہ زبیر حلف الفضول (اس کا ذکر آگے آتا ہے) میں شریک تھے (بنو ہاشم کے سردار تھے) اور اس وقت آپ ﷺ کی عمر بیس سال سے اوپر تھی اور علما میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو طالب کے ہمراہ عبدالمطلب کی موت سے پانچ سال سے بھی کم عرصے میں شام گئے تھے (یوں زبیر کی عین حیات بھی ابو طالب ہی رسول اللہ ﷺ کے کفیل، نگراں اور سرپرست تھے اور زبیر کو یہ خدمت حاصل نہ تھی)۔ (۳۲/الف)

میں کہتا ہوں کہ تولیت زبیر کی روایت کی تغلیط بے بنیاد ہے، کیونکہ سفر شام اور بحیریٰ راہب سے ملاقات کی روایت محدثین وارباب سیر کے نزدیک پایۂ استناد سے ساقط اور وضعی ہے۔ اس لئے اسے ثقہ وصحیح مان کر کفالت زبیر کی روایت کی تغلیط کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے (۳۳)۔ علاوہ بریں بحیریٰ کے واقعے کے وقت آپ ﷺ کا سن مبارک نو سال تھا اور عبدالمطلب کی موت پر ایک سال سے زیادہ کا عرصہ نہ گزرا تھا۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ ابو طالب کے ہمراہ سفر شام پر جانے سے کفالتِ زبیر کی نفی نہیں ہوتی کہ بڑے بھائی زبیر کی کفالت میں رہنے والے بھتیجے کو چھوٹا بھائی ابو طالب اپنے ساتھ لے جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ کفالت کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے چچا اپنے یتیم بھتیجے سے کوئی سروکار ہی نہ رکھیں۔ اس روایت میں جو یہ بات کہی گئی ہے کہ ابو طالب زبیر سے زیادہ رسول اللہ ﷺ پر مہربان تھے اس سے زبیر کے لطف و مہربانی کا انکار نہیں ہوتا، سہیلی نے الروض الانف میں وہ لوری نقل کی ہے جو زبیر اپنے معصوم بھتیجے کو بچپن میں سناتے تھے، اس سے محبت اور لطف وعنایت کے جذبات اور زبیر کی دلی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے (۳۴)۔ خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا زبیر سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام طاہر انہیں کے بیٹے کے نام پر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے اس عقیدت کا اظہار اپنے کسی دوسرے چچا کے ساتھ نہیں کیا (۳۵)۔ اس لئے زیر نظر روایت کا یہ حصہ کہ ابوا طالب زبیر سے زیادہ آپ ﷺ پر مہربان تھے محض برائے وزن بیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد کے عام دستور کی رو سے خاندان میں بیٹے کی پیدائش فال نیک سمجھی جاتی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ کی ولادت جہاں عبدالمطلب کے لئے باعث تقویت تھی وہیں تین چچاؤں، زبیر، ابو طالب وابولہب کے لئے بھی یہ مبارک خبر تھی۔ ابولہب کی اسلام دشمنی بعثت کی بعد کی حالت ہے ورنہ اس نے آپ ﷺ کی پیدائش کی خبر دینے والی باندی ثویبہ کو خوش ہو کر آزاد کر دیا تھا (۳۶)

(۴) کفالت سے متعلق روایتوں میں تواتر کے ساتھ اس بات کا ذکر آتا ہے کہ ابو طالب کثیر العیال تھے اور ان کی اولاد تنگی و مفلسی میں مبتلا تھی اور خورد و نوش کے تھوڑے سے سامان کے سبب وہ پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے۔ (۳۷) جہاں تک ابو طالب کے کثیر العیال اور تنگ دست ہونے کی بات ہے تو یہ آنحضرت ﷺ کے عہد طفولیت سے تعلق نہیں رکھتی، یہ بعد کے زمانے کی حالت ہے جب ان کا سن زیادہ ہو گیا تھا، کاروبار تباہ ہو چکا تھا اور جوان بیٹے معاشی تگ و دو میں بوڑھے باپ کے دست و بازو نہ تھے، اس لئے اس زمانے میں ان کے صاحب زادے حضرت جعفرؓ، جناب عباسؓ کی تولیت میں تھے اور حضرت علیؓ خود رسول اللہ ﷺ کی تحویل میں تھے، لیکن جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی طفولت کا زمانہ ہے اور اس وقت ابو طالب کثیر العیال و تنگ دست ہرگز نہ تھے۔ میرے معروضات مندرجہ ذیل ہیں:

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ابو طالب کے چار بیٹے طالب، عقیل، جعفر، و علی اور تین بیٹیاں ام ہانی ہند یا فاختہ، جمانہ و ام طالب ریطہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے بطن سے تولد ہوئیں۔ بیٹوں میں دس دس سال کا فرق تھا یعنی، طالب عقیل سے دس سال، عقیل جعفر سے دس سال اور جعفر علی سے دس سال بڑے تھے۔ بعثت کے وقت موثق روایات کے مطابق حضرت علی کی عمر آٹھ سال تھی اور وہ رسول اللہ ﷺ سے بتیس سال چھوٹے تھے، حضرت جعفر آپ ﷺ سے بائیس سال اور حضرت عقیل آپ سے بارہ سال اور طالب دو سال چھوٹے ہوئے (۳۸) اس طرح کفالت کے وقت کہ آپ ﷺ کا سن آٹھ سال تھا، ابو طالب کے گھر میں صرف چھ سال کا ایک بچہ طالب تھا، عقیل اس کے کوئی چار سال بعد پیدا ہوئے۔ اس لئے یہ روایت کہ جب کھانے کا برتن بچوں کے سامنے رکھا جاتا تو وہ سب ٹوٹ پڑتے اور لوٹ کر سب کھا جاتے اور رسول اللہ ﷺ کو کچھ نہ ملتا اور ابو طالب کو ان کے حصے کا کھانا الگ کرنا پڑتا تھا محل نظر اور درایتاً نادرست ہے۔ جہاں تک ابو طالب کی تینوں بیٹیوں کا تعلق ہے تو انہوں نے اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے فئی سے ان کے لئے غلے کی ایک مقدار مقرر کر دی تھی جو انہیں فصلانہ ملتی تھی۔ ان کے نام ہیں ام ہانی فاختہ یا ہند، جمانہ اور ام طالب ریطہ۔ طبقات کی کتابوں میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان لڑکیوں اور ان کے بھائیوں کی عمروں میں کیا فرق تھا، مگر خیال ہے کہ یہ خواتین کم از کم طالب و عقیل سے چھوٹی رہی ہوں گی۔ ابو طالب کی یہ سب اولاد حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے بطن سے تھیں اور ان کی یہی ایک بیوی تھیں۔ (۳۹)

مذکورہ بالا معروضات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کفالت کے وقت

ابو طالب کے گھر میں ایک بیوی اور ایک بیٹے سے زیادہ عیال واطفال نہ تھے اور اس وقت وہ کثیر العیال ہرگز نہ تھے۔ ابو طالب تجارت کرتے تھے اور ابن قتیبہ کی روایت کی رو سے وہ عطر اور غلے کے کاروبار سے وابستہ تھے۔ اس لئے ایک مختصر کنبے کی ضروریات کی تکمیل کے لئے یہ تجارت یقیناً کافی تھی۔ بعد کے زمانے میں ان کی مفلسی تجارت میں گھاٹے، صحت کی خرابی اور بیٹوں کی سستی کے سبب تھی (۴۰)۔

کفالت سے متعلق روایات کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ روایات تضاد بیانی اور ناقابل یقین تاویلات پر مشتمل ہیں اور کسی خاص مقصد سے عہد عباسی کی وضاعین کی کرشمہ سازی کا نتیجہ ہیں۔ روایات میں کفالت کے لئے ابو طالب کو ترجیح دینے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے، مگر جب کہا گیا کہ زبیر بن عبدالمطلب بھی عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے اور عمر میں ابو طالب سے بڑے تھے، اس لئے یہ وجہ ترجیح غلط ہے، تو اب یہ نئی وجہ ترجیح وضع کی گئی کہ آنحضرت ﷺ کی کفالت کے لئے دونوں بھائیوں زبیر و ابو طالب میں تنازعہ پیدا ہوا، جس پر قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ ابو طالب کے نام نکلا۔ اس توجیہہ بار د پر یہ کہا گیا کہ ابو طالب نے عبدالمطلب کی تمام ذمہ داریوں میں زبیر کی وصایت و قیادت تسلیم کر لی، رفادہ سقایہ کے عہدوں سے وہ دست بردار ہو گئے اور اس عہد کا دستور یہی تھا کہ باپ کا وصی و جانشین بڑا بیٹا ہوتا تھا اور قرعہ اندازی کا رواج نہ تھا لیکن ابو طالب نے ہر امر میں زبیر کو باپ کا وصی تسلیم کر لیا اور صرف یتیم بھتیجے کی کفالت پر نزاع کھڑا کیا، یہ بات قرین قیاس نہیں ہے، خصوصاً اس حال میں کہ یہی راوی ابو طالب کی مفلسی کی بڑی دردناک تصویر بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ عبدالمطلب کی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ابو طالب کی شیفتگی کا کوئی پتا نہیں چلتا اور ان کے مرتے ہی اچانک کفالت پر تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور قرعہ اندازی تک نوبت پہنچی۔ قرعہ اندازی کی توجیہہ کے ساقط الاعتبار ٹھہرنے کے بعد یہ روایت وضع کی گئی کہ خود ننھے بھتیجے نے ابو طالب کی تولیت میں رہنا پسند کیا تھا کیونکہ ان دونوں چچاؤں میں سے ابو طالب آپ ﷺ پر زیادہ مہربان اور مائل بہ لطف و کرم تھے (کان الطلف عمیہ بہ)۔ ابو طالب کے اس لطف کی کوئی مثال آنحضرت ﷺ کے عہد طفولیت میں نہیں ملتی بلکہ زبیر کی محبت و شفقت کی روایت ملتی ہے اور وہ لوری بھی بلاذری کے ہاں مذکور ہے جو کم سن بھتیجے کو وہ سنایا کرتے تھے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ ابو طالب کی کفالت کی روایات ناقابل اعتبار، وضعی اور بے اصل ہیں۔ روایات کی بے اصلی کی سب سے بڑی دلیل ان کی نت نئی توجیہات بھی ہیں۔ اس بنا پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد رسول اکرم ﷺ کی مالی کفالت

کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ ﷺ کو اپنے والد کے ترکے سے جو اونٹ اور بھیڑوں کا ریوڑ ملا تھا وہ آپ ﷺ کی معاش کے لئے کافی تھا، ہاں ان کی دیکھ بھال ضروری تھی جو زبیر نے انجام دی اور جب وہ مرے تو آپ کا سن مبارک بیس سال تھا اور اب انہیں کسی کفیل کی ضرورت نہ تھی۔

ابو طالب کے رسول اللہ ﷺ پر لطف وعنایت کا پردہ اس روایت سے بھی چاک ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے بعثت سے پہلے ان کی بیٹی ام ہانی ہند یا فاختہ سے شادی کی خواہش کی لیکن ابو طالب نے ان کا پیغام رد کر دیا اور مشہور دشمن اسلام (بعد کے زمانوں میں) ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی سے ام ہانی کا نکاح کر دیا اور آنحضرت ﷺ کے شکوے پر کہا:

یا ابن اخی انّا قد صاھرنا الیھم والکریم یکافی الکریم. (۴۱)

اے بھتیجے! ہم نے ان لوگوں (بنو مخزوم) میں شادی بیاہ کا رشتہ (سمدھیانہ) کیا ہے اور کریم ہی کریم کا کفو (ہم سر اور ہم پایہ) ہوتا ہے (۴۱)

ہم ابو طالب کے اس جواب پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ قارئین غور وخوض کریں اور فیصلہ کریں

سفر شام اور بحیریٰ راہب سے ملاقات :

جب رسول اللہ ﷺ کا سن مبارک نو سال تھا (بعض روایتوں میں بارہ سال بھی مذکور ہے) تو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب تجارت کے لئے شام جا رہے تھے، آپ ﷺ کے اصرار پر انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے لیا، راہ میں بیت المقدس و دمشق کے درمیان بُصریٰ نامی قصبے میں کہ رومی سلطنت کا تجارتی مرکز اور عرب سے ملحق سرحدی شہر تھا، ابو طالب کے ساتھیوں نے ایک کلیسا کے وسیع صحن میں پڑاؤ کیا۔ اس کلیسا میں بحیریٰ نامی ایک راہب رہتا تھا اور بہت کم باہر نکلتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر علامتوں سے پہچان لیا کہ آپ ﷺ ہی نبیٔ آخر الزماں ہیں، اس نے دیکھا کہ آپ پر ابر سایہ فگن ہے، درخت اور پہاڑ آپ کے حضور جھک کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اس لئے اس نے قافلے والوں کی دعوت کی۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے حالات دریافت کئے اور ابو طالب سے باصرار کہا کہ اس بچے کو واپس لے جاؤ ورنہ رومی یا ایک دوسری روایت کے رو سے یہودی اسے مار ڈالیں گے۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رومیوں کا ایک گروہ پہنچ گیا، دریافت سے معلوم ہوا کہ رومیوں کو اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت آ گیا ہے: اس لئے انہوں نے تحقیق حال کے لئے ہر طرف اپنے دستے روانہ

کر دیئے ہیں۔ بحیریٰ نے ان رومیوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا اور ادھر ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو مکے واپس بھیج دیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپ کے ساتھ کر دیا (۴۲)۔

یہ روایت اختصار و تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں مذکور ہے۔ ہماری زبان میں سیرت کی جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں قریب قریب سبھی میں بحیریٰ سے ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس روایت کی تضعیف و تکذیب بھی کی گئی ہے، مگر دورِ حاضر کے عیسائی فضلا نے اس روایت پر خصوصی توجہ دی ہے اور اس کے پایۂ استناد سے ساقط ہونے کے باوجود اسے اپنے مقصد کے لئے بڑا کارآمد خیال کیا ہے اور یہ استنباط کیا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اسی بحیریٰ سے توحید کی تعلیم پائی اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے کا خیال آپ ﷺ کو نو سال کی عمر میں اسی راہب کی تلقین سے آیا اور اکتیس سال بعد انہوں نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی، گویا یہ عیسائی راہب نعوذ باللہ بانی اسلام کا استاد ٹھہرا۔ (۴۳)

مولانا شبلیؒ نے روایت زیر مطالعہ کے طرق روایت و اسناد پر بحث کر کے اسے ناقابل اعتبار، مرسل اور منقطع قرار دیا ہے۔ بقول علامہ ذھبی یہ روایت منکر اور موضوع ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے حضرت بلالؓ واپس مکہ لائے، غلطِ محض ہے کہ اس وقت خود حضرت ابوبکرؓ چھ سال کے بچے تھے۔ اور حضرت بلالؓ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے، اس کے علاوہ روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ بحیریٰ نے آنحضرت ﷺ کو کسی قسم کی تعلیم دی تھی اور کچھ اصول سکھائے تھے، اس لئے اس کی استادی کا ادعا باطل اور بے اصل ہے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبی ﷺ میں بحیریٰ کے واقعے پر مزید روشنی ڈالی ہے اور روایت کے مختلف طرق و اسانید سے محدثانہ بحث کر کے اسکے چاروں راویوں کی بے اعتباری ثابت کی ہے اور ابن اسحاق و ابن سعد وغیرہ کی روایتوں کو مُرسل و منقطع قرار دیا ہے اور چونکہ اس کے تمام راوی مجروح ہیں اس لئے یہ روایت موضوع اور بحیریٰ کا سارا واقعہ غلط اور راویوں کی حاشیہ آرائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (۴۴)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بحیریٰ سے ملاقات کے واقعے پر روایتاً و درایتاً بحث کر کے اسے عقل و نقل دونوں اعتبار سے بے اعتبار قرار دیا ہے۔ مولانا مودودیؒ کا یہ بھی استدلال ہے کہ روایت سے پتا چلتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ کو کم سنی میں اور قریش و روم تک کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ نبی ہونے

والے ہیں۔ اگر ان روایات کو صحیح مان لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی نبوت کا پہلے سے علم تھا، حالانکہ یہ بات قرآن کے صریح خلاف ہے۔ سورۂ القصص، آیت ۸۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ (اور تمہیں ہرگز یہ امید نہ تھی کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی) اسی طرح سورۂ الشوریٰ، آیت ۵۲ میں ارشاد ہوا ہے "مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ" (اور تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے)۔ یوں قرآن یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے نبی ہونے کا نزول وحی سے قبل کوئی علم نہ تھا اور اسی لئے نزول وحی کے بعد آپ ﷺ پر جو کیفیت طاری ہوئی اگر آپ کو اس کا پہلے سے علم ہوتا تو یہ حالت طاری نہ ہوتی، یوں یہ روایت اس پوری کیفیت کے خلاف پڑتی ہے جو کثیر اور متواتر روایات کی رو سے آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد مکہ میں پیش آئی۔ اس کے ساتھ ہی اگر قریش کے لوگ اکتیس سال سے یہ جانتے ہوتے کہ آپ ﷺ نبی ہونے والے ہیں تو آپ کے اعلانِ نبوت پر ان کا ردعمل اس سے بہت مختلف ہوتا جو بالکل ایک خلاف توقع معاملہ پیش آنے سے ہوا (۴۵)

رحمۃ للعالمین کے مصنف قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے بحیریٰ کے واقعے کی صحت سے انکار کیا ہے اور مستشرقین کے اس الزام پر کہ آپ ﷺ نے بحیریٰ سے توحید و اخلاق کا درس لیا تھا، یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تثلیث کا انکار، عقیدہ کفارہ کا بطلان اور قتل و صلیب مسیحؑ کا ابطال جس شد و مد سے فرمایا اگر یہ سب بقول علما یورپ بحیریٰ راہب سے آپ ﷺ نے سیکھا اور یہ سب اس کی تعلیم کا نتیجہ تھا، تو پھر عیسائیوں پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے اس بزرگ کی بات مان کر عیسائیت کے مسلمہ و مزعومہ عقائد سے توبہ کرلیں۔ (۴۶)

بحیریٰ کے واقعے سے متعلق عصر حاضر کے نامور مسلمان اسکالر اور بین الاقوامی شہرت کے عالم پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بیان پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں، ابو طالب کے ہمراہ پہلی دفعہ آپ ﷺ کے سفر کا حال نو سال کی عمر میں معلوم ہوتا ہے۔ اس سفر میں بحیریٰ راہب سے آپ ﷺ کی ملاقات بیان کی جاتی ہے۔ ابو طالب مکہ سے چل کر بیت المقدس اور دمشق کے درمیان ایک تجارتی منڈی بصریٰ میں ٹھہرے تھے۔ کوئی تعجب نہیں ہے کہ ہوشیار عیسائی پادریوں نے اس بستی کو تبلیغ کے لئے تاک لیا ہو اور یہاں خانقاہ ہو اور راہب رہتے ہوں جو ہر نو وارد غیر عیسائی سے تپاک سے ملتے اور ان میں اپنے مذہب کا پرچار کرتے ہوں۔ اول تو ایک نو سال کے بچے کی تلقین و تعلیم کیا ہوسکتی ہے اور دوسرے اس زمانے

میں عیسائیوں میں اتنی پھوٹ اور سر پھٹول ہو رہی تھی کہ راہبوں کا آپس کی مناظرہ بازی سے تبلیغ کے لئے وقت نکالنا مشکل ہی تھا۔ یوں بھی بحیریٰ راہب نے ابوطالب اور ان کے ساتھیوں کو ضیافت پر مدعو کیا اور کھانے کے بعد رخصت کر دیا، یہ مدت ملاقات گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اس زمانے میں عیسائی دنیا میں یہ عام عقیدہ تھا کہ ایک مسیحا اور آخری نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ ممکن ہے بحیریٰ نے اس کا ذکر کیا ہو۔ عیسائی عقیدہ بہر حال یہ نہیں تھا کہ مسیحا کی آمد حجاز میں ہوگی۔ ان حالات میں بحیریٰ راہب کی گفتگو سے آنحضرت ﷺ میں نبی بننے کا شوق پیدا ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔ (۴۷)

حاصل بحث یہ ہے کہ بحیریٰ سے ملاقات کی داستان روایتاً ثابت نہیں ہے۔ درایتاً بھی یہ کہانی وضعی ہے جس زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور بعد میں بعثت ہوئی، دنیا کی مذہبی حالت ناگفتہ بہ تھی اور خصوصاً عیسائیت و یہودیت تحریف و تبدیلی کے سبب از کار رفتہ اور حقیقت سے بہت دور تھیں۔ ان کے رہبان واحبار اغراض نفسانی کا شکار اور امراض روحانی کا صید زبوں تھے وہ صحیح آسمانی کتابوں کی تعلیمات سے ناآشنا اور گوناگوں اخلاقی رذائل میں مبتلا تھے، ان میں کسی مرتاض پیکر اخلاق ومظہر روحانیت وصاحب فکر سلیم مذہبی رہنما کی موجودگی جیسا کہ بحیریٰ کے متعلق باور کر لیا گیا ہے، ناممکن و قیاس مع الفارق ہے، اس لئے اس قصے کا مرکزی نقطہ ہی موہوم ومعدوم ہے۔

جوانی سے نبوت تک

حربِ فجار میں شرکت :

جناب رسول اللہ ﷺ جب سنِ تمیز کو پہنچے تو مکہ میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ قریش اور ان کے ہم جد بنو کنانہ کو مشہور مضری قبیلے قیس عیلان سے جن میں ہوازن اور ثقیف کے قبائل پیش پیش تھے، ایک طویل اور سخت جنگ سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ لڑائیاں ان مہینوں میں لڑی گئیں جن میں عربوں کے مقرر کردہ رواج کے مطابق جنگ کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے انہیں حربِ فجار یعنی فجور وگناہ کی لڑائیاں کہا گیا ہے۔ قریش کو اس سلسلے کی چار جنگیں لڑنی پڑیں۔ آخری جنگ میں جسے یوم نخلہ کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اس معرکے میں قریش کا سالارِ اعظم حرب بن امیہ تھا اور بنو ہاشم کی قیادت آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کر رہے تھے۔ اس جنگ میں چونکہ قریش برسرِ حق تھے، اس

لئے آپ بھی شریک تھے مگر آپ ﷺ نے جدال وقتال میں کوئی حصہ نہ لیا اور صرف اتنا کیا کہ جو تیر دشمن کی طرف سے آتے تھے انہیں اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیدیتے اور ڈھال سے ان کی حفاظت کرتے تھے۔ بعد میں آپ ﷺ یہ فرماتے تھے کہ اگر میں نے حربِ فجار میں اتنا بھی حصہ نہ لیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ اس آخری فجار میں قریش کی فتح ہوئی اور معاملہ صلح پر ختم ہوا۔ واقعۂ فیل کے بیس سال بعد کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر بیس سال تھی آخری حرب فجار پیش آئی۔ (۴۸)

حلف الفضول میں شرکت :

حرف فجار کے بعد ہی قریش نے جنگ وجدل سے تنگ آ کر ایک معاہدہ کیا جسے حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ ذی القعدہ ۲۰ عام الفیل میں ہوا۔ بنو تیم بن مرہ کے رئیس عبداللہ بن جدعان کے گھر میں قریش کے متعدد سربراہان قبیلہ جمع ہوئے اور ہر چند کہ بنو ہاشم کے سردار زبیر بن عبدالمطلب تھے، مگر جناب رسول اللہ ﷺ بھی اس میں شریک تھے۔ آپ کو یہ معاہدہ اتنا پسند تھا کہ نبوت کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ ''اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ لیتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدے کے لئے مجھے بلایا جائے تو میں حاضر ہوں۔'' اس معاہدے کی ایک وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ زمانہ قدیم میں جب مکہ پر بنی جرہم کا قبضہ تھا ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا جس میں حصہ لینے والے سبھی آدمیوں کے نام فضل تھے اس لئے اسے ''حلف الفضول'' کا نام دیا گیا۔ اس کی ایک اور وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے اور وہی درست بھی ہے کہ سہیلی کی حمیدی کے واسطے سے روایت میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ انہوں نے اس بات پر معاہدہ کیا تھا کہ ''فضول'' (یعنی کسی حقدار کا حق) کو ان کے حق داروں کی طرف پلٹا دیں گے'' اس لئے اسے حلف الفضول کہا گیا۔

حلف الفضول میں جن باتوں کا عہد کیا گیا ہے اور جن کے استقرار کے معاہدین پابند تھے مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ شہر مکہ کے حدود میں کسی کو کسی پر ظلم نہ کرنے دیں گے۔

۲۔ ہم سب مل کر مظلوم کی مدد کریں گے اور اسے اس کا حق دلوائیں گے۔

۳۔ فضول کو ان کے حق داروں پر پلٹائیں گے۔

۴۔ کسی شخص کو کسی کے مال وآبرو پر دست درازی نہ کرنے دیں گے۔

۵۔ مکہ میں رہنے والے اور باہر سے آنے والوں کی یکساں دادرسی کی جائے گی۔

۶۔ معاشی ناہمواری کے دور کرنے اور اس میں یکسانی کی خاطر ہم باہم دگر تعاون کریں گے۔

سہیلی نے معاہدہ کے آخری الفاظ یہ لکھے ہیں: وعلی التاسی فی المعاش بقول پروفیسر محمد حمید اللہ یہ فقرہ غور طلب ہے، میں نے اس سے جو سمجھا ہے وہ معاشی یکسانی کا استقرار ہے۔ (۴۹)

جاہلیت کے مشغلوں سے اجتناب :

جناب رسول اللہ ﷺ کو بچپن ہی سے زمانۂ جاہلیت کے مشاغل سے نفرت تھی اور ان تمام مشغلوں سے جو عرب جاہلیت میں نوجوانوں کے دل پسند تھے، آپ ﷺ الگ رہے۔ ایک روایت کی رو سے جسے طبری اور حافظ ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھ میں دو بار سے زیادہ کبھی ان کاموں سے دلچسپی پیدا نہیں ہوئی جو جاہلیت میں کئے جاتے تھے اور دونوں ہی بار اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے محفوظ رکھا۔ اور اس کے بعد پھر کبھی میرے دل میں ان کا خیال تک نہ آیا۔ ایک روز میں نے اس نوجوان ساتھی سے جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہا کہ ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال کرنا تا کہ میں مکہ جا کر رات کی ان دل چسپیوں میں حصہ لوں جن میں دوسرے نوجوان حصہ لیتے ہیں، وہ راضی ہو گیا چنانچہ میں شہر آیا اور میں نے ایک گھر سے گانے بجانے کی آوازیں سنیں، دریافت پر معلوم ہوا کہ وہاں شادی کی کوئی تقریب ہے، میں بیٹھ گیا، مجھے نیند آ گئی یہاں تک کہ دن نکل آیا اور سورج کی گرمی سے میری آنکھ کھلی۔ میں واپس گیا تو میرے ساتھی نے حال پوچھا، میں نے اسے ماجرا سنایا۔ دوسری رات میں نے پھر اپنے ساتھی سے وہی بات کہی اور وہ راضی ہو گیا، میں مکہ میں داخل ہوا تو وہی گانا بجانا پھر ہو رہا تھا۔ میں یہ تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ پھر سو گیا اور دن نکلنے تک سوتا رہا۔ واپس جا کر میں نے اپنے ساتھی کو بتا دیا کہ آج بھی میں کچھ نہ دیکھ سکا۔ اس کے بعد میرے اندر اس طرح کی کسی چیز کی طرف میلان ہی پیدا نہ ہوا''(۵۰)

بت پرستی سے نفرت :

آپ ﷺ کو بچپن ہی سے شرک اور بت پرستی سے نفرت تھی اور نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ اس سے دور ہی رہے۔ اس زمانہ میں بتوں کے چڑھاوے کا کھانا لوگ برکت کی غرض سے کھاتے

تھے، لیکن جب ایک مرتبہ ایسا کھانا پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح ان بت پرستانہ میلے ٹھیلے میں بھی آپ ﷺ جانا پسند نہ کرتے تھے جو قریش عید کے طور پر مناتے تھے۔ آپ ﷺ کے خادم حضرت زید بن حارثہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کی تعظیم نہ کی اور نہ اس کا طواف ہی کیا۔ اللہ نے آپ ﷺ کا دامن ان آلائشوں سے قبل نبوت بھی پاک ہی رکھا۔ (۵۱)

بھیڑ بکریاں چرانا :

نوجوانی میں آپ ﷺ نے مکہ میں بھیڑ بکریاں بھی چرائی ہیں۔ ابن سعد نے آپ ﷺ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا ہے جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہؓ نے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ نے بھی اے اللہ کے رسول بھیڑ بکریاں چرائی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! میں نے اپنے خاندان کی بھیڑ بکریاں مکہ کے مقام اجیاد میں چرائی ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ اہلِ مکہ کی بھیڑ بکریوں کی چوپانی بھی آپ ﷺ نے معمولی اجرت پر انجام دی تھی۔ یہ چوپانی دنیا کی سرداری اور نوع انسانی کی تنظیم و تہذیب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ (۵۲)

تجارت :

قریش تجارت پیشہ تھے، مکہ وادیٔ غیر ذی زرع (بن کھیتی کی سرزمین) تھا، اس لئے زراعت کو وہاں فروغ نہ ہو سکتا تھا، قریش صنعت و حرفت کو بالعموم ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی معاش کا انحصار گلہ بانی اور تجارت پر ہی ہو سکتا تھا۔ گلہ بانی کے امکانات بھی کم ہی تھے کیونکہ شہر کے اردگرد کی پہاڑیاں بے آب و گیاہ تھیں اور جانوروں کو چارہ اور پانی میسر نہیں آ سکتا تھا، اس لئے ماسوا چند بار برداری کے اونٹوں اور گدھوں اور چند بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے جو غذائی ضروریات کی تکمیل کے لئے لوگ پالتے تھے، مویشی بانی کی کوئی بڑی کوشش اور اس کے معاشی وسیلہ سازی کی جدوجہد نظر نہیں آتی۔ اس لئے قریش کا واحد وسیلۂ معاش تجارت کا سوا کچھ اور نہ ہو سکتا تھا۔ ان کے تجارتی قافلے حبش، یمن، مصر، فلسطین، شام، روم، عراق و ایران تک جاتے تھے، جو مالدار تھے اپنا سامان لے کر دیساور جاتے تھے اور دیس دیس کی مصنوعات و پیداوار عرب میں لاتے تھے، ان میں کپڑے، چمڑے، اسلحے، خوشبو، میوے اور چاندی وغیرہ تھے، جو بے زر تھے وہ دوسروں کے کارندے اور ایجنٹ کی حیثیت سے تجارتی کاروانوں کے ساتھ جاتے تھے۔ اگرچہ عرب

کی سرزمین بے آئین میں قریش کو ''جیران اللہ'' یعنی اللہ کا پڑوس ہونے کے سبب یک گونہ احترام حاصل تھا اور کعبے کے متولی ہونے کے باعث انہیں دیگر قبائل میں مذہبی سربراہ کا منصب دار خیال کیا جاتا تھا، مگر اپنے ان تجارتی کاروانوں کی حفاظت کا انہیں بندوبست کرنا پڑتا تھا اور بدوی قبائل کی دست برد سے اسباب تجارت کے تحفظ کی خاطر اپنے ساتھ مسلح دستے بھی رکھنے پڑتے تھے۔ بہر کیف اپنے شرف کے سبب اور قبائل عرب میں اشہر حرم کے نظام کو متعارف کرانے کی وجہ سے وہ آزادانہ اندرون عرب کے بازاروں میں اپنا اسباب لے جاتے اور کافی نفع کماتے تھے۔ اسی طرح جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، عرب کے پڑوسی حکمرانوں، اقیالِ یمن، بادشاہان حبشہ، قیاصرہ روم وشہنشاہانِ ایران سے، قریش کو پروانۂ راہ داری حاصل تھا۔ ان سب وجوہ سے قریش کی تجارت زور وشور سے جاری تھی اور وہ مالداری و دنیوی وجاہت میں بھی اپنے ہم چشم قبائل میں نمایاں وممتاز تھے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام تھا جو عطا کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے القرآن حکیم کی سورۂ ایلاف میں اس کا ذکر کیا ہے کہ قریش کے تجارتی قافلے سردیوں اور گرمیوں میں بیرون و اندرون عرب جاتے یوں انہیں ''بن کھیتی کی زمین'' میں بھوک سے نجات دی گئی اور سرزمین بے آئین میں خوف سے امان دیا گیا، قریش کے تجارتی فروغ کا یہ حال تھا کہ عورتیں تک کاروبار میں حصہ لیتی تھیں اور معاشرے میں اپنے تمول وحسن معاملہ کے لئے شہرت رکھتی تھیں۔ (۵۳)

عہد زیر نظر میں قریش کی ایک معزز خاتون حضرت خدیجہ بنت خویلد ایک ایسی ہی متمول خاتون تھیں جو کارندوں کے ذریعے اجرت پر مال تجارت دساور بھیجتی تھیں۔ ان کے حسن معاملہ کے باعث لوگوں کو ان کے کارندے کی حیثیت سے کام کرنے کی تمنا رہتی تھی۔ ابو طالب کے اصرار پر جناب رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے تجارتی مال کے ساتھ شام کے سفر پر جانے کے لئے آمادہ ہوگئے اور ان کے غلام میسرہ کے ہم راہ قریش کے تجارتی قافلے کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر پچیس سال تھی اور قیاس کہتا ہے کہ انہیں کسی قدر کاروباری واقفیت بھی حاصل ہوچکی تھی۔ ابو طالب عطریات اور غلے کی تجارت کرتے تھے اور مکہ میں چھوٹے پیمانے پر سہی، ان کی ایک دکان بھی تھی اور آپ ﷺ کا اس دکان سے کوئی تعلق رہا ہوگا۔ آپ کی تجارتی واقفیت ومعاملہ فہمی سے جو اس سفر میں ظاہر ہوئی، ہمارے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے۔ (۵۴)

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حسن انتظام و دیانت سے حضرت خدیجہؓ کو توقع سے دوگنا نفع حاصل ہوا اور انہوں نے خوش ہوکر آپ ﷺ کو طے شدہ معاوضے سے دوگنا معاوضہ

دیا۔اس سفر میں بھی نسطورا نامی ایک عیسائی راہب سے آپ ﷺ کی ملاقات اور اس کی پیشگوئی کا ذکر ملتا ہے،لیکن بحیریٰ کے سلسلے میں ہمارے دلائل پر غور کرنے سے اس سفر میں بھی نسطورا سے ملاقات کا قصہ بے اصل اور محض موضوع رہ جاتا ہے۔حیرت ہوتی ہے کہ موضوع روایات گھڑنے والے وضاعین حدیث اس عہد کے عیسائی راہبوں کو جو حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے کوسوں دور تھے اور محض ہوائے نفسانی کے پیروکار تھے،روحانیت وصداقت کے اس منصب بلند پر کیسے فائز گردانتے ہیں کہ نبی آخر الزماں کو شناخت کرلیتے ہیں،اجرام سماوی ومخلوقات ارضی کو ان کے حضور سر بہ سجود دیکھ لیتے ہیں گمان ہوتا ہے کہ یہود کی دسیسہ کاری اور مسلمان نما یہود کی دراندازی کا یہ کرشمہ ہے،کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔(۵۵)

تجارت سے متعلق دوسری سرگرمیاں :

جناب رسول اللہ ﷺ نے شام کے مذکورہ بالا سفر کے علاوہ بعض دوسرے تجارتی سفر بھی کئے ہیں۔امام زہری کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو ایک شخص کے ہمراہ تجارتی کاروبار کی غرض سے حباشہ کے بازار میں جو تہامہ میں مکے کے جنوب میں چھ دن کی مسافت پر واقع تھا، بھیجا تھا۔اسی طرح ابن سید الناس کی مندرجہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دو مرتبہ جُرش سامان تجارت لے کر گئے تھے۔جُرش نام کے اس زمانے میں دو شہر تھے ایک طائف کے کچھ آگے یمن کے رخ پر قلعہ بند شہر تھا اور دوسرا شرق اردن میں بڑا یونانی شہر تھا۔مسند احمد میں مذکور ہے کہ جب بحرین سے قبیلۂ بنو عبد القیس کا ایک وفد مدینہ آیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے ان کے ملک کی بعض تفصیلیں بیان کر کے کیفیت پوچھی تھی وہ لوگ حیران رہ گئے کہ آپ ﷺ کو ان کے علاقے کا اتنا وسیع علم کیسے ہوا۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔بہر کیف روایات سے آپ ﷺ کے متعدد تجارتی سفروں کا حال معلوم ہوتا ہے اور اس پیشہ سے متعلق آپ ﷺ کی وسیع معلومات کا پتا چلتا ہے۔(۵۶)

تجارتی کاروبار میں آپ ﷺ کی دیانت، معاملہ فہمی اور عہد و پیمان کی پابندی کے بارے میں بہت سے واقعات کتب سیر و تاریخ میں مذکور ہیں۔مثلاً میسرہ خادم حضرت خدیجہؓ کا بیان اور آپ ﷺ کے ایک دوسرے شریک تجارت قیس بن سائب کی یہ گواہی کہ آپؐ سے بڑھ کوئی خوش معاملہ، صادق الوعد اور دیانت دار کاروباری شریک ان کی نظر سے نہیں گزرا۔(۵۷)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی :

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کا شمار قریش کی نہایت معزز، ستودہ صفات، معاملہ فہم اور اعلیٰ خاندانی خواتین میں ہوتا تھا۔ قصی بن کلاب کے تیسرے بیٹے عبدالعزیٰ کے خاندان سے ان کا تعلق تھا، جبکہ خود جناب رسول اللہ ﷺ کا تعلق قصی بن کلاب کے دوسرے بیٹے عبدمناف کے خانوادے سے تھا۔ اس طرح حضرت خدیجہؓ کا سلسلۂ نسب قصی بن کلاب پر آپ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب ہے خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت زایدہ قریش کے دوسرے خاندان عامر بن لوی سے تھیں۔ عفت و پاک دامنی کے سبب ان کا لقب طاہرہ تھا۔ ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی جس سے ایک لڑکا ہند بن ابی ہالہ اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ کا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا اور اس نکاح سے بھی ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ دونوں شوہروں کے انتقال کے بعد ان کو قریش کے کئی معززین نے نکاح کا پیغام دیا مگر انہوں نے انہیں منظور نہیں کیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی دیانت و شرافت کا حال میسرہ سے معلوم ہوا، پھر قریش میں امین اور صادق کی القاب سے آپ ﷺ کی شہرت تھی، یہ بھی حضرت خدیجہ کو معلوم تھا۔ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب آپ ﷺ کی پھوپھی، حضرت خدیجہ بنت خویلد کے بھائی عوّام بن خویلد سے بیاہی تھیں اور ان کی بھاوج تھیں، ان کی زبانی بھی رسول اللہ ﷺ کے مکارم اخلاق کی تصدیق ہوئی۔ اس لئے انہوں نے قریش کے ایک رودار گھرانے کی خاتون حضرت انیسہ بنت مُنیہ کے ذریعہ آپؐ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس پیغام کو قبول کیا اور وقت مقررہ پر اپنے اہل خاندان اور اپنے چچاؤں میں سے ابوطالبؓ اور حضرت حمزہؓ کو لے کر حضرت خدیجہ کے دولت کدے پر پہنچ گئے۔ ابوطالب نے حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد کی ولایت میں نکاح پڑھایا اور خطبہ نکاح دیا۔ حضرت خدیجہؓ کی جانب سے ان کے چچا زاد بھائی جناب ورقہ بن نوفل بن اسد نے جوابی خطبہ پڑھا۔ نکاح میں مہر کی صورت کیا تھی، اس میں روایتوں میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ بیس اونٹنیاں مہر میں دی گئیں، بعض میں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی اور بعض میں پانچ سو درہم مہر کی رقم بیان کی گئی ہے۔ چونکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا اس لئے ساڑھے بارہ اوقیہ پانچ سو درہم کے مساوی ہوا، یوں ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں پہلی روایت کہ بیس اونٹنیوں کے بطور مہر دیئے جانے سے

متعلق ہے، ضرور پانچ سو درہم سے مختلف ہے (۵۸)

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے وقت جناب رسول اللہ ﷺ کی عمر پچیس سال تھی مگر حضرت خدیجہؓ کی عمر سے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ اکثر روایتوں میں ان کا سن چالیس سال بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بعض روایتوں میں ان کی عمر اس سے کم بتائی گئی ہے۔ محمد بن حبیب نے کتاب المحبر میں شادی کے وقت ان کی عمر اٹھائیس سال لکھی ہے۔ بلاذری نے ان کی عمر چالیس سال کے علاوہ اٹھائیس سال بھی بیان کی ہے۔ ابن کثیر نے ابن ہشام کے حوالے سے حضرت خدیجہؓ کی عمر پینتیس سال اور ایک دوسری روایت کے مطابق پچیس سال تحریر کی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ان کی عمر سے متعلق چالیس سال اور اٹھائیس سال دونوں ہی روایات درج کی ہیں۔

چونکہ حضرت خدیجہؓ سے رسول اکرم ﷺ کے چھ بچے (چار بیٹیاں اور دو بیٹے) پیدا ہوئے اور ایک چالیس سالہ خاتون کے بطن سے وقفوں سے چھ بچوں کی پیدائش عام حالت میں نہیں ہوتی، پھر عرب کی گرم آب وہوا میں لڑکیاں کم عمری میں سن بلوغ کو پہنچ جاتی ہیں، اس لئے سنِ یاس کو بھی وہ سرد ممالک کی خواتین کے مقابلے میں جلد ہی پہنچ جاتی ہیں، اس بنا پر شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کا سن چالیس سے کم ہونا چاہئے۔ ابن کثیر کی روایت کی رو سے ان کی عمر پینتیس سال جو بیان کی گئی ہے وہ زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض روایات میں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے بعثت کے بعد بھی بچے کی ولادت کا پتا چلتا ہے اور اس وقت ان کا سن پچپن سال کے قریب تھا اس سے بھی ان کی عمر چالیس سال نہ ہونی چاہئے۔ مولانا مودودیؒ نے جدید طبی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ بعض صورتوں میں سنِ یاس پچپن سال تک مؤخر ہوسکتا ہے۔ اول تو یہ طبی شواہد مغرب کے سرد خطوں کے جائزے کی بنیاد پر قائم کئے گئے ہیں، دوم مستثنیات کو کلیات پر ترجیح دینا حقیقت سے دور ہے، خصوصاً جب ان کی اساس روایتوں پر ہو، جن کی توثیق درایت کے ذریعے کی جاسکتی ہے اور درایت کلیات و مسلمات پر مبنی ہوتی ہے مستثنیات پر نہیں۔ اس بنا پر شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کا سن چالیس سال سے یقیناً کم ہونا چاہئے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ لوگوں کی جو عمر بھی بیان کی جاتی ہیں وہ بالعموم اندازوں سے متعین کی جاتی ہیں اور حتمی تاریخ ولادت کا کم ہی لوگوں کو علم ہوتا ہے اور یہ اندازے جن بنیادوں پر قائم کئے جاتے ہیں، انہیں مستند اور قطعی قرار نہیں دیا جاسکتا، مثلاً آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی عمر کے مختلف اندازے جو اسی سے ایک سو بیس کی عمر تک لگائے گئے ہیں محض مفروضے ہیں۔ (۵۹)

ازدواجی زندگی :

جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اپنی زندگی کے قریب قریب پچیس سال گزارے اور ان کی حین حیات آپ نے کوئی اور شادی نہیں کی۔ انسانی زندگی کے یہ پچیس سال بڑے عزیز اور نہایت بیش بہا ہوتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کے حضرت خدیجہؓ سے نہایت خوش گوار عائلی تعلقات تھے اور آپ ﷺ نے ایک ایسی مطمئن زندگی بسر کی جس کی یاد آپ ﷺ کو ان کی وفات کے بعد بھی آتی رہی اور جب بھی ان کا ذکر کرتے تو ان کی تعریف ہی کرتے تھے۔ بلکہ جن لوگوں سے حضرت خدیجہؓ کو کسی قسم کا تعلق تھا، ان کے ساتھ بھی محبت واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ بنت خویلد آپ ﷺ کے ہاں آئیں تو آپ نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اخلاق سے پیش آئے۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک کالے رنگ کی عورت آئیں تو آپ ﷺ نے ان کی بھی بہت عزت کی اور دریافت کرنے پر بتایا کہ یہ حضرت خدیجہؓ کے پاس اکثر آیا کرتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی ساری اولاد حضرت ابراہیم بن محمد کے علاوہ انہیں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ مؤرخ وسیرت نگار محمد بن سعد نے لکھا ہے کہ آپ کے بیٹے قاسم سب سے پہلے پیدا ہوئے اور انہیں کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت تھی اس کے بعد چار بیٹیاں زینب، رقیہ، فاطمہ، وام کلثوم پیدا ہوئیں۔ سب سے اخیر میں بعثت کے بعد آپ ﷺ کے صاحب زادے عبداللہ پیدا ہوئے جنہیں زمانہ اسلام میں تولد ہونے کے سبب سے طیب وطاہر کہا جاتا تھا، ان دو بیٹوں میں سب سے پہلے جناب قاسم بن محمد نے دو سال کی عمر میں انتقال کیا اور ان کے بعد عبداللہ نے بھی مکہ ہی میں وفات پائی۔ مگر ابن ہشام اور سہیلی کے مطابق بیٹیوں میں فاطمہؓ سب سے چھوٹی تھیں اور ام کلثومؓ ان سے عمر میں بڑی تھی۔ (۶۰)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے صرف ایک ہی صاحب زادی پیدا ہوئیں، بقیہ صاحب زادیاں حضرت خدیجہؓ کی بہن کی بیٹیاں تھیں جنہیں انہوں نے پالا تھا۔ یہ خیال غلط ہے کیونکہ خود انہیں لوگوں کی مستند ومقدم کتاب الکافی میں آنحضرت ﷺ کی چاروں صاحب زادیوں کا ذکر موجود ہے، نیز قرآن میں اللہ فرماتا ہے: یَـٰٓأَیُّهَا ٱلنَّبِیُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ (۶۱) (اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے کہو) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ایک نہیں کئی بیٹیاں تھیں، عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے اور ''بنات'' لفظ بنت کی جمع ہے۔ بہر کیف آپ

ﷺ کو اپنی زوجۂ محترمہ اور بیٹے بیٹیوں سے بہت محبت تھی اور آپ ﷺ کی عائلی زندگی مثالی تھی۔(۶۲)

زید بن حارثہ کا واقعہ :

حضرت زیدؓ بن حارثہ کا واقعہ نبوت سے قبل آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی بلند ترین مثال ہے۔ یہ عربوں کے مشہور قبیلے بنوکلب سے تعلق رکھتے تھے، آٹھ سال کے تھے کہ ماں کے ہمراہ ننھیال کہ قبیلہ طے میں تھی جا رہے تھے۔ راستے میں ڈاکہ پڑا اور یہ بچہ بھی ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گیا، انہوں نے زید کو عکاظ کے بازار میں لا کر بیچ دیا۔ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں خرید کر اپنی پھوپھی کی نذر کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی تو آپ ﷺ کو ان کے عادات و اطوار پسند آئے اور زید کو اپنی زوجۂ محترمہ سے مانگ لیا۔ اس کے بعد زید بن حارثہ آپ ﷺ کے غلام کی حیثیت میں آپ کے ساتھ رہنے لگے۔ اس اثنا میں زیدؓ کے باپ اور چچا کو ان کا پتا چلا اور مکے آئے کہ زر فدیہ ادا کر کے زید کو آزاد کرا کے اپنے ساتھ لے جائیں جب یہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا: میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اس کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے یا میرے پاس رہنا چاہتا ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے گا تو میں کوئی فدیہ نہ لوں گا اور اسے آزاد کر دوں گا، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہتا ہو اسے خوامخواہ نکال دوں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے اور آپ ﷺ نے زید کو بلا کر ان سے دریافت کیا کہ کیا تم ان دونوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں! یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں پوری آزادی ہے چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ رہو۔ زید بے اختیار بول اٹھے، میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس جانا نہیں چاہتا یہ سن کر ان کے باپ اور چچا چلائے: زید کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے اس شخص کے جو اوصاف دیکھے ہیں، ان کا تجربہ کر لینے کے بعد اب میں دنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ زید کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا راضی ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت زید کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع میں اعلان کیا کہ تم سب لوگ گواہ رہنا، آج سے زید میرا بیٹا ہے، یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔ اسی بنا پر لوگ انہیں زید بن محمد کہنے لگے۔ یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے، بعثت کے بعد حضرت زیدؓ نے اسلام قبول کیا، ہجرت

کی، غزوات میں شریک ہوئے اور ۸ ھ میں غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے (۶۳)۔

کعبے کی تعمیر نو :

اس وقت جناب رسول اللہ ﷺ کا سن شریف پینتیس سال تھا، خانۂ کعبہ کی عمارت سیلاب اور آتش زدگی سے متاثر ہو کر نہایت بوسیدہ ہو گئی تھی۔ اگر چہ یہ عمارت ایک دیوار کے احاطے میں تھی اور براہ راست سیلاب کی زد سے باہر تھی، مگر اس سال بارش نہایت کثرت سے ہوئی اور احاطے کی دیوار بھی سیلاب کو نہ روک سکی اور خانۂ کعبہ کو سخت نقصان پہنچا۔ اس لئے قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ پوری عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کی جائے اور اسے مسقف کر دیا جائے۔ اس وقت تک کعبے کا طول وعرض نو نو ہاتھ تھا اور اونچائی قد آدم سے کچھ زیادہ تھی اور کوئی چھت نہ تھی۔ اتفاق سے اسی زمانے میں جدہ کے ساحل پر ایک رومی جہاز سمندری طوفان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا، اس میں حبشہ میں ایک گرجا کی تعمیر کے لئے مصر سے سنگ مرمر اور لکڑیاں وغیرہ لے جائی جا رہی تھیں۔ سرداران قریش نے کعبہ کے محفوظ خزانے اور باہمی چندے کی رقوم سے اس شکستہ جہاز اور اس کے سامان کو خرید لیا۔ مکہ میں باقوم نامی ایک قبطی بڑھئی رہتا تھا، اہل مکہ نے اسے تعمیر کے کام پر لگا دیا۔ تعمیراتی کاموں کو قریش کے مختلف خاندانوں میں بانٹ دیا گیا، پرانی عمارت ڈھا کر نئی تعمیر شروع کی گئی، پہلی تعمیر کے طول وعرض کو دوگنا کر دیا گیا، اوپر چھت بھی ڈالی گئی اور غالباً رقم کی کمی کے سبب کعبے کا کچھ حصہ حطیم کے نام سے بغیر چھت کے نیم دائرے کی صورت میں باہر رکھا گیا اور دیوار دونوں اطراف سے کعبے کے ساتھ غیر متصل رکھی گئی تاکہ ہر کوئی وہاں جا سکے۔ غرض دیواریں اٹھنے لگیں اور تمام مکہ والے پتھر لانے اور جمانے میں حصہ لینے لگے۔ جناب رسول اللہ ﷺ بھی پتھر لانے اور اسے جمانے میں شریک تھے۔ جب دیواریں تین ہاتھ اونچی ہو گئیں تو حجر اسود کو دیوار میں ایسی جگہ نصب کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا کہ طواف کرنے والے کو نظر آئے اور اسے بوسہ دے سکے۔ حجر اسود کی تنصیب ایک بڑا اعزاز تھا اس لئے اسے اٹھانے اور نصب کرنے پر اختلاف پیدا ہوا کہ کون اس شرف سے بہرہ افروز ہو۔ ہر قبیلہ اس عمل تنصیب کو ادا کرنا چاہتا تھا، اس لئے ان میں سخت اختلاف پیدا ہوا اور تلواریں نیاموں سے نکل آئیں، بنو مخزوم کے معمر سردار ابو امیہ بن مغیرہ نے تنازعے کا حل نکالا کہ سب سے پہلے جو شخص دروازے سے کعبے میں داخل ہو، وہ اس کا فیصلہ کر دے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اتفاق سے آنحضرت ﷺ آتے نظر آئے، انہیں دیکھ کر لوگ چلائے: یہ امین آ رہا ہے، ہم اس

کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ محمد ہے۔ آپ ﷺ اگر چاہتے تو حجر اسود کو خود اٹھا کر نصب کر دیتے یا پھر اپنے خاندان بنو ہاشم کے حق میں فیصلہ دیتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی، اسے بچھا کر اس پر حجر اسود کو رکھا پھر کہا کہ ہر قبیلے کا نمائندہ اس چادر کو اٹھائے۔ جب پتھر مقامِ تنصیب کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اسے دیوار میں نصب کر دیا، اس طور سے ایک سخت جنگ کا خطرہ اور بحران آپ ﷺ کی معاملہ فہمی اور صلح جوئی کے باعث ٹل گیا۔ لیکن یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ایک قضیے کا فیصلہ کیا، بلکہ وہ لوگ اپنے تنازعات کے تصفیے کے لئے اکثر آپ ﷺ سے رجوع کرتے تھے اور آپ کے فیصلے سے مطمئن ہو جاتے تھے۔ (۶۴)

قریش میں آپ ﷺ کی نیک شہرت :

بعثت سے پہلے ہی جناب رسول اللہ ﷺ اپنے اعلیٰ اخلاق، حسن معاملہ، دیانت، راست بازی وخوش خلقی کے لئے مشہور تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ جو بُصریٰ کے تجارتی سفر میں آپ کے ہمراہ تھا، اس نے راستے میں آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کی وہ خوبیاں دیکھیں کہ وہ آپ کا گرویدہ ہو گیا اور واپس آ کر اس نے حضرت خدیجہ کو وہ سب تفصیل کے ساتھ بتایا اور انہوں نے آپ ﷺ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا، شادی کے بعد اہل مکہ سے سماجی و کاروباری روابط بڑھے اور جلد معاشرے میں آپ ﷺ کی امانت و دیانت کا شہرہ ہو گیا، آپ پر لوگوں کا اعتماد قائم ہو گیا اور وہ اپنی قیمتی امانتیں آپ کے پاس رکھوانے لگے۔ یہ سلسلہ بعثت کے بعد بھی جاری رہا اور آپ ﷺ کے قیام مکہ تک باقی رہا، چنانچہ ہجرت کے وقت آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو خاص اسی لئے مکے میں چھوڑا تھا کہ وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینے چلے آئیں۔ تجارت میں آپ ﷺ کی شہرت ایک کھرے، دیانت دار اور خوش معاملہ شخص کی تھی چنانچہ ایک صاحب جو آپ ﷺ کے شریک تجارت رہ چکے تھے گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ بہترین شریک تھے، کبھی دھوکا نہ دیا اور کبھی جھگڑا نہ کیا۔ آپ ﷺ کے ایفائے عہد اور پابندئ وعدہ کی بھی ان لوگوں نے شہادت دی ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے تجارتی لین دین کیا تھا، ایسے ہی ایک صاحب عبد اللہ بن الحمساء تھے، جنہوں نے زمانۂ قبل اسلام میں آپ ﷺ سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا، کچھ معاملہ طے ہوا تھا اور کچھ باقی تھا کہ وہ یہ کہہ کر چلے گئے کہ اسی جگہ آ کر ملوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور پھر آنا بھول گئے، تین دن کے بعد جب انہیں یاد آیا تو اس جگہ وہ واپس آئے، انہوں نے

دیکھا کہ آپ ﷺ وہاں موجود ان کا انتظار کر رہے ہیں۔

آپ ﷺ کے حسن اخلاق، محبت، اور حسن تربیت کی بہترین مثال حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر زید نے اپنے باپ اور چچا پر آپ ﷺ کو ترجیح دی اور آزادی پر غلامی کی زندگی کو اختیار کر لینا گوارا کر لیا اور آپ ﷺ نے انہیں بیٹوں کی طرح رکھا اور اپنے خاندان کا ایک فرد سمجھا اور ان کے بعد ان کے بیٹے اسامہ کے ساتھ بھی یہی روش رکھی۔

دوستوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کوئی اٹھارہ سال کے سن میں آپؐ سے متعارف ہوئے اور بعثت کے وقت اس دوستی کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ آپ ﷺ کے اخلاق سے وہ اس حد تک متاثر تھے کہ آپ ﷺ کی ہر بات کی انہوں نے تصدیق کی۔ ان کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ بات آپ ﷺ نے کہی ہے تو سچی ہوگی۔ یہ اعتماد خلق محمدی ﷺ کی اکملیت کی دلیل ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ پچیس سال رہیں، بیوی سے زیادہ آدمی کے اخلاق و عادات کا کسے علم ہو سکتا ہے۔ نزولِ وحی کے آغاز پر انہوں نے جن الفاظ میں آپ ﷺ کے اخلاق کا ذکر کیا ہے وہ نہ صرف آپ کے حسنِ معاشرت، مطمئن زندگی اور مثالی کردار پر شاہد عدل ہے، بلکہ اس امر پر بھی گواہ ہے کہ آپ ﷺ اخلاق کے اس مقام بلند پر فائز تھے جہاں تک پہنچنا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے کہا: ''اللہ کی قسم آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔''

یہ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا اثر تھا کہ اہل مکہ نے کعبہ کی تجدید تعمیر کے وقت جب آپ ﷺ کو سب سے پہلے داخل ہوتے دیکھا تو بے اختیار چلا اٹھے: ''یہ امین ہیں، ہم راضی ہو گئے، یہ تو محمدؐ ہیں'' اور انہوں نے تنصیب حجر اسود کے معاملہ میں آپ ﷺ کو ثالث مان لیا (۶۵)

احباب خاص :

بعثت سے قبل جن صاحبوں کو آنحضرت ﷺ سے خصوصی تعلق تھا، ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت سب سے نمایاں ہے وہ عمر میں آپ ﷺ سے دو سال کے قریب چھوٹے

تھے۔ان کی فطرت سلیم تھی اور عرب جاہلیت کی اخلاقی برائیوں سے ان کا دامن پاک صاف تھا، وہ شراب نوشی کی بری عادت سے نفور اور گناہ کی زندگی سے کوسوں دور تھے۔ان سے آپ ﷺ کی دوستی اس زمانے میں ہوئی جب ان کی عمر اٹھارہ سال اور آنحضرت ﷺ کی عمر بیس سال تھی، یوں آپ کی بعثت کے وقت اس دوستی کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔ عادات واطوار میں ان دونوں میں اتنی مناسبت ومشابہت تھی کہ مکہ میں کسی دو آدمی میں اتنی مزاج کی یکسانی اور کردار کی ہم آہنگی نہیں تھی۔اسی لئے نزول وحی کے بعد جیسے ہی انہیں آپ ﷺ کی نبوت کا علم ہوا، انہوں نے دعوت اسلام پر لبیک کہا اور سب سے پہلے اسلام قبول کرلیا۔

عرب کے مشہور طبیب وجراح حضرت ضماد بن ثعلبہ بھی آپ ﷺ کے ابتدائی دوستوں میں تھے، وہ مکے آئے اور قریش کی غلط اطلاع پر آپ ﷺ کے علاج کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر صحیح حالات کے علم کے ساتھ ہی انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

بنومخزوم کے قیس بن سائب جو آپ ﷺ کے قدیم دوست اور شریک تجارت تھے آپ کی دیانت وصداقت سے اس حد تک متاثر تھے کہ جیسے ہی انہیں آپ کی بعثت کا علم ہوا، انہوں نے بے چوں وچرا دعوت اسلام پر لبیک کہا، اسی طرح حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی آپ کے پرانے شناسا تھے(۶۶)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۃ الحج، آیت ۷۸

۱/الف۔ ابن سعد، ۱/ ۵۶، ۵۷۔ المعارف، ۱۵/ ۲۴۴۔ ابن ثیر، ۱/ ۵۳ تا ۵۸۔ ابن کثیر، ۱/ ۱۵۰ تا ۱۵۴

۲۔ ابن ہشام، ۱/ ۱۱۔ ابن سعد، ۱/ ۴۷۔ ابن کثیر، ۱/ ۱۵۴ تا ۱۵۷۔ سہیلی، ۱/ ۱۱

۳۔ سورۃ الحج، آیت ۲۶

۳/الف سورۃ ابراہیم، آیت ۳۷

۳/ب۔ ابن سعد، ۱/ ۴۸ تا ۵۶۔ ابن کثیر، ۱/ ۱۹۱ تا ۱۹۳۔ ارض القرآن، ۲/ ۴۷ بعد

۴۔ سورۃ الصافات، آیت ۱۰۲، ۱۰۷

۴/الف، ایضاً، آیت ۱۱۲

۴/ب، ابن اثیر، ۱/ ۶۲ تا ۶۵۔ ابن کثیر، ۱/ ۱۵۷ تا ۱۶۰۔ ارض القرآن، ۲/ ۴۹ تا ۵۴

۵۔ آل عمران، آیت ۹۶، ۹۷

۵/الف، البقرہ/ آیت ۱۲۵ تا ۱۲۹

۵/ب۔ الحج/ آیت ۲۶ تا ۲۸۔ ابن اثیر، ۱/ ۶۰، ۶۱۔ ابن کثیر، ۱/ ۱۶۳، ۱۶۶

۶۔ حوالے کے لئے مقالۂ اول کے سیاسی، معاشرتی و معاشی مباحث سے رجوع کیجئے

۷۔ سورۂ مریم، آیت ۵۴

۷/الف، مقالۂ اول ''مذہبی حالات'' کے ضمن میں حوالہ جات دیئے گئے ہیں، نیز کتب فقہ میں ابواب مناسک حج دیکھئے

۸۔ بلاذری، ۱/۴، الانساب الاشراف، قاہرہ، مطبوعہ دار المعارف، ۱۹۵۹ء۔ ابن اثیر ۲/۱۵۶، ۱۹۴، ۱۹۸، ۱۹۹۔ ارض القرآن ۲/۵۵ تا ۶۲۔ بخاری، ۱/۴۹۷۔ ابن ہشام، ۱/۱۳

۹۔ ارض القرآن، ۲/۶۳ تا ۸۷

۱۰۔ سورۂ الفرقان، آیت ۳۸۔ ابن سعد، ۱/۵۸۔ بلاذری، ۱/۱۲۔ ابن اثیر، ۲/۲۱۔ ابن کثیر، ۲/۱۹۸ تا ۲۰۰

۱۱۔ جوہری، صحاح بذیل مادہ ''قرش'' بحوالہ ابن کثیر/ جلد ۲/ص ۲۰۰ تا ۲۰۲

۱۲۔ نسب قریش لزبیر بن بکار، بحوالہ ابن کثیر، ۲/۲۰۱ تا ۲۰۲

۱۳۔ ارض القرآن، ۲/۱۱۳۔ مزید حوالوں کے لئے مقالۂ اول کے قریش و مکہ کے عنوان سے رجوع کیجئے۔

۱۴۔ بلاذری، ۱/۴۱

۱۵۔ ابن سعد، ۱/۶۶ تا ۷۳۔ طبری، ۲/۲۵۴ تا ۲۶۰۔ ابن ہشام، ۱/۸۳ و بعد۔ سہیلی، ۱/۸۴ و بعد

۱۶۔ ابن سعد، ۱/۳۷، ۵۷۔ طبری، ۲/۲۵۲ تا ۲۵۴۔ ارض القرآن ۲/۱۱۲ و بعد۔ المعارف، ۳۲ و بعد

۱۷۔ ابن ہشام، ۱/۹۴۔ ابن سعد، ۱/۷۵ تا ۸۰۔ طبری، ۲/۲۵۱ تا ۲۵۴۔ سہیلی، ۱/۹۵ و بعد

۱۸۔ ابن سعد، ۱/۸۲ تا ۸۷، ۹۲، ۹۳، ۱۱۹۔ طبری، ۲/۲۴۶ تا ۲۵۱۔ المعارف، ۵۱ تا ۵۶

۱۹۔ ابن سعد، ۱/۸۸، ۸۹، ۹۴ تا ۱۰۱۔ طبری، ۲/۲۴۳ تا ۲۴۶۔ المعارف، ۵۱۔ ابن کثیر، ۲/۲۴۸ تا ۲۵۱

۲۰۔ ابن سعد، ۱/۹۴، ۹۵۔ المعارف، ۵۷۔ سہیلی، ۱/۱۰۴

۲۱۔ بلاذری، ۱/۹۲۔ ابن کثیر، ۲/۲۵۹ تا ۲۶۲۔ سیرۃ النبیؐ، ۱/۱۷۲۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ص ۴۷۔ محمد عبدالمعبود، تاریخ المکۃ المکرمہ لاہور ۱۹۸۰ء/حصہ اول/ص ۳۵۴، ۳۵۵ معلومات فراہم کردہ شاگرد عزیز ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر، صدر شعبہ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی، کراچی

۲۲۔ ابن کثیر، ۲/۲۶۴ تا ۲۶۶۔ رحمۃ للعالمین ﷺ، ۲/۳۹

۲۳۔ ابن ہشام، ۱/۱۰۸۔ ابن سعد، ۱/۱۰۸۔ بلاذری، ۱/۹۳ و بعد۔ ابن اثیر، ۱/۲۷۰۔ ابن کثیر، ۲/۲۷۲ تا ۲۷۳

۲۴۔ ابن ہشام، ۱/۱۰۷۔ ابن سعد، ۱/۱۱۰۔ ابن اثیر، ۱/۲۷۱۔ ابن کثیر، ۲/۲۷۳ تا ۲۷۸۔ المعارف، ۵۸۔ سیرۃ النبی ﷺ، ۱/۱۷۳۔

۲۵۔ ابن ہشام، ۱/۱۱۱۔ بلاذری، ۱/۹۴۔ سہیلی، ۱/۱۱۱

۲۶۔ ابن ہشام، ۱/۱۱۱۔ ابن کثیر، ۲/۲۷۴، ۲۷۵۔ حجۃ اللہ البالغہ، ۲/۲۰۵

۲۷۔ ابن سعد، ۱/۱۱۶۔ بلاذری، ۱/۹۴۔ ابن کثیر، ۲/۲۷۹۔ ابن ہشام، ۱/۱۱۳۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی/ص ۴۹۔ نبی رحمت، ۱/۱۰۵

۲۸۔ ابن ہشام، ۱/۱۱۳، ابن سعد، ۱/۱۱۷، ۱۱۸۔ بلاذری، ۱/۹۶۔ ابن کثیر، ۲/۲۸۱، ۲۸۲

۲۹۔ ابن ہشام، ۱/۱۱۷۔ ابن سعد، ۱/۱۱۹، ۱۲۰۔ بلاذری، ۱/۹۶۔ المعارف، ۵۲ تا ۵۵۔ طبری، ۲/۲۷۷۔

ابن کثیر، ۲/ ۲۸۲، ۲۸۳۔ سہیلی، ۱/ ۱۱۲

۳۰۔ حوالے اپنے اپنے مقامات پر درج کئے جاچکے ہیں

۳۱۔ بلاذری، ۱/ ۱۸۸

۳۲۔ ابن ہشام، ۱/ ۷۷، ۷۸۔ ابن سعد، ۱/ ۸۵ تا ۹۳۔ بلاذری، ۱/ ۵۷، ۷۲

۳۲/الف، بلاذری/ انساب الاشراف/ ج ۱، ص ۸۵

۳۳۔ حوالے کے لئے دیکھئے عنوان (سفر شام اور بحیریٰ راہب سے ملاقات)

۳۴۔ سہیلی، ۱/ ۷۸

۳۵۔ سہیلی، ۱/ ۷۸۔

۳۶۔ ابن کثیر، ۲/ ۲۷۳

۳۷۔ ابن سعد، ۱/ ۱۱۹۔ بلاذری، ۱/ ۹۶۔ ابن کثیر، ۲/ ۲۸۳

۳۸۔ ابن سعد، ۱/ ۱۲۲۔

۳۹۔ ابن سعد، ۱/ ۱۲۱، ۱۲۲،۔ ۸/ ۴۷، ۴۸، ۲۲۲۔ المعارف/ ص ۵۳۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ/ ۵/ ۴۱۵، ۶۲۴۔ قاہرہ، مطبوعہ ۱۲۸۰ھ، کتب تاریخ و تذکرہ میں ابو طالب کی دو بیٹیوں ام ہانی ہند اور جمانہ کے حالات ملتے ہیں اور کسی نے ان کی تیسری بیٹی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ محمد بن سعد نے محمد بن عمر واقدی کے حوالے سے تیسری بیٹی رابطہ کا ذکر کیا ہے مگر ان کی شادی کہاں ہوئی اور اولاد کے نام کیا تھے، ان کے بیان سے اس کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ بہر کیف ابن سعد کی ثقاہت کی وجہ سے میں نے تین بیٹیوں کا ذکر کر دیا ہے۔

۴۰۔ المعارف/ ص ۲۴۹

۴۱۔ ابن سعد ۸/ ۱۵۲، ۱۵۱۔

۴۲۔ ابن ہشام، ۱/ ۱۱۸۔ ابن سعد، ۱/ ۱۲۰۔ بلاذری، ۱/ ۹۶ تا ۹۷۔ طبری، ۲/ ۲۷۱ تا ۲۷۹۔ سہیلی، ۱/ ۱۱۸

۴۳۔ سیرۃ النبی ﷺ، ۱/ ۱۷۹ تا ۱۸۳

۴۴۔ سیرۃ النبی ﷺ، ۳/ ۴۷ تا ۴۹

۴۵۔ سرور عالم ﷺ، ۲/ ۱۰۷ تا ۱۰۹

۴۶۔ رحمۃ للعالمین ﷺ، ۱/ ۴۲ تا ۴۳

۴۷۔ بعثت نبوی کے وقت دنیائے مسیحیت کی ناگفتہ بہ حالت اور ان کے رہبان و قسیسین کی اخلاق باختگی کا ذکر مقالۂ سوم میں بھی کیا گیا ہے، اس سے بھی رجوع کیا جانا چاہئے: رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۵۴ تا ۵۵

۴۸۔ ابن ہشام، ۱/ ۱۲۰، ۱۲۱۔ ابن سعد، ۱/ ۱۲۶ تا ۱۲۸۔ بلاذری، ۱/ ۱۰۰ تا ۱۰۳۔ ابن اثیر، ۱/ ۳۶۱ و بعد۔ ابن کثیر، ۲/ ۲۸۹ و بعد۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص ۵۷۔ سہیلی، ۱/ ۱۲۰ تا ۱۲۱

۴۹۔ ابن ہشام، ۱/ ۹۰ تا ۹۲۔ ابن سعد، ۱/ ۱۲۸، ۱۲۹۔ سہیلی، ۱/ ۹۱، ۹۲۔ ابن کثیر، ۲/ ۲۹۱ تا ۲۹۳۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، / ۵۹، ۶۰۔ رحمۃ للعالمین، ۱/ ۴۴۔

۵۰۔ طبری، ۲/ ۲۷۹۔ ابن کثیر، ۲/ ۲۸۷، ۲۸۸۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ۵۱

۵۱۔ ابن کثیر،۲/ ۲۸۸، ۲۸۹۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ﷺ کی سیاسی زندگی/ص ۵۶

۵۲۔ ابن سعد،۱/ ۱۲۵، ۱۲۶

۵۳۔ ابن ہشام،۱/ ۱۲۱ تا ۱۲۲۔ابن سعد،۱/ ۱۲۹ تا ۱۳۱۔ بلاذری،۱/ ۹۷۔طبری،۲/ ۲۸۰۔ابن کثیر،۲/ ۲۹۴۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۶۰ تا ۶۴

۵۴۔ بلاذری،۱/ ۹۸۔المعارف/ص ۲۴۹۔طبری،۲/ ۲۸۰

۵۵۔ ابن ہشام،۱/ ۱۲۲۔ابن کثیر،۲/ ۲۹۴۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی/ص ۶۱، ۶۲۔

۵۶۔ طبری،۲/ ۲۸۲۔قاہرہ،مطبوعہ ۱۳۱۳ھ۔مسند احمد،۴/ ۲۰۶۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی/ ص ۶۱ تا ۶۳۔

۵۷۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی،ص ۶۱ تا ۶۳

۵۸۔ ابن ہشام،۱/ ۱۲۱، ۱۲۲۔ابن سعد،۱/ ۱۳۱ تا ۱۳۳۔ بلاذری،۱/ ۹۷، ۹۸۔طبری،۱/ ۲۸۰ تا ۲۸۲۔ابن کثیر،۲/ ۲۹۴ تا ۲۹۶۔ سہیلی،۱/ ۱۲۴۔سیرۃ النبی،۱/ ۱۸۹، ۱۹۰۔رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ص ۶۵۔اسد الغابۃ،۵/ ۴۳۴

۵۹۔ انساب الاشراف/ ج ۱،ص ۹۸۔ابن حبیب المحبر /۹/ ۷۔دار نشر الکتب الاسلامیہ،لاہور (س۔ن)۔ابن سعد،۱ /۱۳۲۔طبری،۲/ ۲۸۰۔ابن کثیر،۲/ ۲۹۵۔رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ص ۶۵۔سیرت سرور عالم،۲/ ۱۲۸

۶۰۔ ابن ہشام،۱/ ۱۲۳۔ سہیلی،۱/ ۱۲۳۔ بلاذری،۱/ ۹۸۔ ابن سعد/ ج ۱،ص ۱۳۳۔طبری،۲/ ۲۸۱۔ اسد الغابۃ،۵/ ۴۳۵، ۴۳۶

۶۱۔ سورۃ الاحزاب،آیت ۵۹

۶۲۔ الکلینی،الکافی (الاصول)،۱/ ۴۳۹۔تہران ۱۳۸۸

۶۳۔ ابن سعد،۳/ ۴۱، ۴۲۔رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ص ۶۷، ۶۸

۶۴۔ ابن ہشام،۱/ ۱۲۷ تا ۱۳۲۔ابن سعد،۱/ ۱۴۵ تا ۱۴۷۔ بلاذری،۱/ ۹۹، ۱۰۰۔طبری،۲/ ۲۸۷ تا ۲۹۰۔ابن اثیر/ ج ۲، ۲۷ تا ۲۹۔ابن کثیر/۲، ۳۰۱ تا ۳۰۴۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی/ص ۶۸ تا ۷۱

۶۵۔ بلاذری،۱/ ۱۰۵، ۱۰۶۔ابن اثیر،۲/ ۲۵۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی/ص ۶۱ تا ۶۳۔بعض حوالے گزشتہ مباحث میں آچکے ہیں

۶۶۔ سیرۃ النبی ۱،۱/ ۱۹۶ تا ۱۹۸

نعتیہ ادب کا معتبر اور فکر افروز کتابی سلسلہ

نعت رنگ

مرتب: صبیح رحمانی

☆ہر کتاب ایک جامع مطالعہ ☆پندرھواں شمارہ شائع ہوگیا ہے،

اکادمی بازیافت،اردو بازار،کراچی،